احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

جنوری سنہ ۱۹۹۴ء

ایڈیٹر

نصر اللہ خاں ناصر

ال[illegible]

پبل[illegible]

پرن[illegible]

مط[illegible]

مقا[illegible]

ماهنامہ

انصار اللہ ربوہ

صلح ۱۳۷۳ ہش

جنوری ۱۹۹۴ء

ایڈیٹر

نصر اللہ خاں ناصر

پبلشر:- چوہدری محمد ابراہیم
پرنٹر:- قاضی منیر احمد
مطبع:- ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

اس ماہ کے شمارے میں

جلد نمبر ۳۵ شمارہ نمبر ۱

شرح چندہ

پاکستان ــــــــ چالیس روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ ــــــــ چار روپے

اداریہ

نیا سال مُبارک ہو!

ہمارے دل اپنے رب کریم کی حمد سے لبریز ہیں کہ اس نے ہم پر نئے سال کا سورج طلوع کیا۔ نیا سال مبارک ہو! ـــ

سالِ نو کی مبارک باد کوئی رسمی بات نہیں۔ ایک دعا ہے۔ ایک عزم کا اظہار ہے ـــ اس مبارکباد کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ نیا سال مسرّت و شادمانی کا سال ہوگا۔ بنی نوع انسان کو خوشحالی نصیب ہوگی۔ دُکھی اور مظلوم مخلوقِ خدا امن و سکینت حاصل کرے گی۔ آج ہر احمدی دل بنی نوع انسان کے دُکھ درد کو محسوس کرتا ہے اور ہر دل کی دھڑکن اس محبت اور پیار کا اظہار کر رہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی کو ودیعت کی ہے۔ پس احمدی کے دل کی گہرائی سے امن و سلامتی کی دعا نکلتی ہے۔

گذشتہ سال کے آغاز پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بہبودِ انسانیت کے نام پر جو رُوح پرور خطبہ ارشاد فرمایا (جسے اب شائع کیا جا رہا ہے) اس میں سالِ نو کے لئے یہی دعا اور ایک لائحہ عمل دیا گیا تھا آپ نے فرمایا

"میں..... آپ سب کو یہ دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ سال آپ سب کے لئے ہر پہلو سے بہت ہی بابرکت فرمائے اور جماعت احمدیہ کے لئے بالعموم بہت بابرکت فرمائے۔ اور خصوصاً دعوت الی اللہ کے میدان میں جماعت کی کوششوں کو غیر معمولی پھل لگائے۔ اور آگے پھوٹنے پھلنے والے بیج اور پھل عطا کرتا رہے۔ بہرحال ایک تو جماعت کو مبارک دینا مقصود تھی اور ایک کُل عالم کے مسلمانوں کو خواہ ان کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہو یا نہ ہو میں دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اسی طرح تمام انسانیت کے لئے میرے دل میں فلاح و بہبود کے جو جذبات ہیں اور جو نیک خواہشات ان سے وابستہ رکھتا ہوں۔ اس پہلو سے تمام دنیا کے انسانوں کو خواہ ان کا کوئی بھی مذہب ہو۔ کوئی بھی رنگ ہو کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں کسی مذہب کے ماننے والے ہوں میں دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی مبارک باد پیش کرتا ہوں جو جماعت احمدیہ کی طرف سے ہے صرف میری طرف سے ہی نہیں۔" (خطبہ یکم جنوری ۱۹۹۳ء)

حضور انور کے یہ محبت بھرے جذبات ہمیں جس عظیم الشان پیغام اور لائحہ عمل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ وہ بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل تمام بنی نوع انسان کے لئے فلاح و بہبود کی تحریک ہے۔

ہمیں انکے دکھ درد اور ظلم و جور کو دور کرنے کی جدوجہد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور پھر خدا تعالےٰ کی بھولی بھٹکی مخلوق کو قولِ احسن سے آستانۂ الوہیت پر لاکر حقیقی عبودیت پہ قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے ۔ اس عظیم تحریک کے لئے ہم نے کیا کیا۔ آئیے ہم اپنا محاسبہ کریں ۔ گذشتہ سال کا جو سورج غروب ہوا ۔ اس آخری شفق میں ہمارے مطلوب و مقصود کی کتنی خوبصورت تصویریں اُبھریں ؟! ۔ بہبود انسانیت کے لئے ہم نے کیا کیا ؟ بنی نوع انسان کے چھینے گئے حقوق اور مختلف طبقوں پر ظلم و تشدد کے خلاف کیا آواز اٹھائی گئی اور انسانی محبت کے سب سے بڑے تقاضا "دعوت الی اللہ" کو کہاں تک پورا کیا ۔ یہ وہ اہم سوال ہیں جو ہمارے سالِ نو کے لائحہ عمل کو متعین کرتے ہیں ۔ آئیے ! ہم حمد و عزم کے ساتھ اس عظیم جدوجہد کو آگے بڑھائیں ۔ جس سے بنی نوعِ انسان کو امن و سلامتی حاصل ہو اور اقوامِ عالم ایک وحدت میں ڈھل کر حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو ۔

ماہ جنوری کے پرچہ کے ساتھ قارئین ایک تبدیلی محسوس کریں گے ۔ محترم مرزا محمد الدین صاحب ناز ماہنامہ انصار اللہ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ایک طویل عرصہ (آٹھ سال) تک خدمات سرانجام دیتے رہے ۔ آپ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے یہ اہم ذمہ داری ادا کی ۔ اس نازک دور میں بڑے حساس اور اہم مسائل پر قلم اٹھایا ۔ نہایت فاضلانہ اداریئے تحریر کئے ۔ بڑی جرأت سے حق کی آواز بلند کرتے رہے ۔ اب آپ ایک لمبی رفاقت کے بعد اپنے ادارتی فرائض سے سبکدوش ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان مثالی خدمات کی احسن جزاء عطا کرے ۔ اور آئندہ بھی اپنی علمی صلاحیتوں کے ذریعہ حسین یادیں قائم رکھنے کی توفیق بخشے !

ایڈیٹر

امام الکلام

اوّل خدا کی توحید اختیار کرو دوسرے آپس میں محبّت اور ہمدردی ظاہر کرو

"وہ ایسی قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں۔ اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشقِ زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبّتِ الٰہی اور ہمدردیٔ بندگانِ خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے .... خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبّتِ الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے۔"

(مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صـ ۱۹۷)

"میں دو ہی مسئلے دنیا میں لے کر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبّت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہ میں پیدا ہوئی تھی۔ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صـ ۲۸)

کلام الامام

عرفانِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ

حضرت المصلح الموعود فرماتے ہیں:-

"عرفانِ الٰہی کیلئے مشارکت اور مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔ اور خدا کا عرفان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ خدا سے مشارکت پیدا ہو جائے اور خدا کی صفات انسان کے اندر آجائیں ...... اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مراد اس کی صفات ہیں..... خدا تعالیٰ کی صفات حاصل کس طرح ہو سکتی ہیں...... اس کیلئے سب سے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی صفات کا علم ہو یہ نہ سمجھو کہ یہ معمولی بات ہے...... کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان سے خدا کی کسی صفت کے معنے پوچھے جائیں تو بتا دیتے ہیں لیکن جب معنوں کا مطلب دریافت کیا جائے تو خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کا وہی حال ہوتا ہے جو اس شخص کا ہوا جس نے

اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے

کے یہ معنے کئے تھے کہ ہم لوگ تم لوگ اور میر صاحب سب کو اس کے بالوں کی زنجیر کے ساتھ باندھ کر جیل خانہ بھیج دیا۔ غرض صرف لفظوں کے معنے جاننے کافی نہیں ہوتے جب تک ان الفاظ کے ساتھ وہ کیفیت پیدا نہ ہو جو ان الفاظ سے وابستہ ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ انسان خدا کی ہر ایک صفت کے معنے جانے اور پھر اس کی تفصیل کرے تاکہ اس صفت کی کیفیت اسکے دل میں بیٹھ جائے۔ مثلاً رب کے معنے کرے کہ پیدا کرنے والا اور پیدا کر کے ترقی دینے والا۔ آگے اسکی تفصیل کرے کہ ترقی دینے کے کیا معنے ہیں اور کس طرح ترقی دیتا ہے۔ اور کس کس رنگ میں دیتا ہے۔ جب تک اس صفت کی پوری پوری کیفیت دل میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک تفصیل کرتا ہی رہے۔" (عرفانِ الٰہی صد۲۱ تا صد۲۹)

پس جو شخص خدا کی صفات اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ دیکھے کہ ان صفات سے مراد کیا ہے...... اور یہ خوب یاد رکھو کہ جب خدا کی صفات کا حقیقی علم ہو جائے تو پھر خود بخود نیکی اور بدی کا علم ہو جاتا ہے...... قرآن کریم میں اصولی طور پر یہی بتایا گیا ہے کہ اپنے اعمال کو خدا کی صفات کے ماتحت کرو...... ایسے لوگ جو عرفانِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے وہ تو ایسے ہوتے ہیں جنہیں خدا کی صفات کا علم ہی نہیں ہوتا۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کو خدا کا علم دیا جائے۔

(عرفانِ الٰہی صد۲۷ تا صد۳۲)

عربی منظوم کلام

فَلَا تَقْفُ الْهَوٰی وَانْظُرْ مَآلِیْ　　وَرَبِّیْ اِنَّهٗ نُصْحٌ قَرَاحٌ

تو خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے نہ پڑ اور میرے انجام کو دیکھ اور میرے ربّ کی قسم یہ خالص خیر خواہی ہے

اَرٰی یَا حِبِّ! تَذْکُرُنِیْ بِسَبٍّ　　فَمَا هٰذَا؟ وَسِیْرَتُکُمْ سَبَاحٌ

اے میرے دوست! مَیں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے گالیوں سے یاد کرتا ہے۔ یہ کیسا خُلق ہے حالانکہ تمہاری سیرت تو درگذر کرنیوالی ہے

وَمَا نَأْلُوْکَ نُصْحًا یَا حَبِیْبِیْ　　وَجَاهَدْنَا لِیَرْتَبِطَ النِّصَاحُ

اور اے میرے دوست! ہم تیری خیر خواہی میں کمی نہیں کرتے اور ہم نے تو کوشش کی ہے کہ خیر خواہی کے تعلقات مضبوط ہوں

وَنُصْحِیْ خَالِصٌ لَا نَوْعُ هَزْلٍ　　وَجِدٌّ لَا یُخَالِطُهُ الْمُزَاحُ

اور میری خیر خواہی خالص ہے۔ بے ہُودہ قسم کی نہیں اور سنجیدہ ہے جس میں کوئی ہنسی مذاق نہیں

فَیَا حِبِّیْ! تَفَکَّرْ فِیْ کَلَامِیْ　　فَاِنَّ الْفِکْرَ لِلتَّقْوٰی وِشَاحٌ

سو اے میرے دوست! میرے کلام میں سوچ سے کام لے کیونکہ غور و فکر تو تقویٰ کا مزیّن ہار ہے

وَلِیْ وَجْدٌ لِقَوْمِیْ فَوْقَ وَجْدٍ　　وَمَا وَجْدُ الثَّوَاکِلِ وَالنِّیَاحُ

اور مجھے درد ہے اپنی قوم کیلئے ہر درد سے بڑا اور ان عورتوں کے درد کو جن کے بچے مر جائیں اور ان کے رونے چلّانے کو میرے درد سے کیا نسبت

وَلِیْ قَدْرٌ عَظِیْمٌ عِنْدَ رَبِّیْ　　وَسُؤْلِیْ لَا یُرَدُّ وَلَا یُزَاحُ

میرے ربّ کے حضور میرا بڑا مرتبہ ہے اور میری دعا ردّ نہیں کی جاتی اور نہ ہی ٹالی جاتی ہے

(القصائد الاحمدیہ صفحہ ٢٤ تا ٢٨)

فارسی منظوم کلام

ہمدردئ خلق

بدِل دردے کہ دارم، از برائے طالبانِ حق　　نمے گردد بیاں، آں درد، از تقریر کوتاہم

وہ درد جو مَیں طالبانِ حق کے لئے اپنے دل میں رکھتا ہوں مَیں اُس درد کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا

دل و جانم، چناں مستغرق، اندر فکرِ اُو شان است　　کہ نے از دل خبر دارم نہ از جانِ خود آگاہم

میری جان اور دل ان لوگوں کی فکر میں اس قدر محو ہے کہ مجھے نہ اپنے دل کی خبر ہے نہ اپنی جان کا ہوش ہے

بدیں شادم کہ غم از بہرِ مخلوقِ خدا دارم　　ازیں در لذّتم، کز دردِ مے خیزد، زِ دل آہم

مَیں تو محض اس پر خوش ہوں کہ مخلوقِ خدا کا غم رکھتا ہوں اور اس درد کے باعث میرے دل سے جو آہ نکلتی ہے اس میں مگن ہوں

مرا مقصود و مطلوب و تمنّا، خدمتِ خلق است　　ہمیں کارم، ہمیں بارم، ہمیں رسمم، ہمیں راہم

میرا مقصود و مطلوب اور میری خواہش خدمتِ خلق ہے۔ یہی میرا کام ہے یہی میری ذمہ داری ہے یہی میرا فریضہ اور طریق ہے

نہ من از خود نہم، در کوچۂ پند و نصیحت پا　　کہ ہمدردی بَرَد آنجا، بہ جبر و زور و اکراہم

مَیں نے اپنی خواہش سے پند و نصیحت کے کوچہ میں قدم نہیں رکھا بلکہ مخلوق کی ہمدردی زبردستی مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے

غمِ خلقِ خدا، صرف از زباں خوردن، چہ کار است ایں　　گرش صد جاں بپا ریزم، ہنوزش عذر میخواہم

صرف زبان سے خلقِ خدا کا غم کھانے کا کیا فائدہ اگر اس بات کے لئے سو جانیں بھی فدا کر دوں تب بھی معذرت کرتا ہوں

چو شامِ پُر غبار و تیرہ حالِ عالمے بینم　　خدا بروے فرود آرد، دعا ہائے سحر گاہم

جب دنیا کی تاریکی اور اس کے تباہ حال کو دیکھتا ہوں تو (چاہتا ہوں کہ) خدا اس پر میری پچھلی رات کی دعاؤں (کی قبولیت) کو نازل کرے

(درِ ثمین فارسی صلا۱۶)

انسانی قدروں کیلئے ایک عالمی سطح کا جہاد جاری کرنے کی ضرورت ہے

تحریک بہبود انسانیت کے نام پر تمام دُنیا میں جلسے منعقد کریں

انسانی قدروں کی راہ میں ـــــ سب مصنوعی جھوٹی دیواروں کا توڑنا ضروری ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ بمقام لندن۔ مورخہ (یکم صلح ہش ۱۳۷۲) یکم جنوری ۱۹۹۳ء

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:-

کل شام کا سورج غروب ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک نیا سال طلوع ہونے کے سامان پیدا ہوئے اور آج صبح کے سورج کے طلوع کے ساتھ تمام عالم پر ایک نیا دن طلوع ہوا ہے۔ پس میں تمام دنیا کے احباب جماعت کو، چھوٹوں بڑوں کو اور مردوں اور خواتین کو نہایت محبت بھرا اسلام اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

سال نو کی مبارک باد دینے کا رواج محض ایک رواج نہیں بلکہ "مبارک" لفظ میں ایک دعا پائی جاتی ہے GREETINGS میں تو کوئی دعا نہیں لیکن جب ہم مبارک کہتے ہیں اور "مبارک ہو" کے الفاظ سے کسی کو خوشی کے جذبات پہنچاتے ہیں تو اس میں درحقیقت ایک دعا ہے۔ پس میں بھی ان معنوں میں آپ سب کو یہ دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ سال آپ سب کے لئے ہر پہلو سے بہت ہی بابرکت فرمائے اور جماعت احمدیہ کے لئے بالعموم بہت بابرکت فرمائے اور خصوصاً دعوت الی اللہ کے میدان میں جماعت کی کوششوں کو غیر معمولی پھل لگائے اور دائمی پھل لگائے اور آگے پھولنے پھلنے والے بیج اور پھل عطا کرتا رہے۔ بہرحال ایک تو جماعت کو مبارک باد دینا مقصود تھی اور ایک کل عالم کے مسلمانوں کو خواہ ان کا تعلق

جماعت احمدیہ سے ہو یا نہ ہو میں دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اسی طرح تمام انسانیت کے لئے میرے دل میں فلاح و بہبود کے جو جذبات ہیں اور جو نیک خواہشات ان سے وابستہ رکھتا ہوں اس پہلو سے تمام دنیا کے انسانوں کو خواہ ان کا کوئی بھی مذہب ہو، کوئی بھی رنگ ہو، کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں میں دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی مبارک باد پیش کرتا ہوں جو تمام جماعت احمدیہ کی طرف سے ہے صرف میری طرف سے ہی نہیں۔

میں نے مبارک باد کے اس مضمون پر جہاں تک غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس بھری دنیا میں جہاں اربوں لوگ آباد ہیں سب سے زیادہ احمدی دل ہیں جو حقیقت میں بنی نوع انسان کے بھی خواہ ہیں اور واقعۃً دل کی گہرائی سے ان کی خیر چاہتے ہیں ورنہ اکثر لوگ تو اپنے محدود دائروں سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک مسلمان زیادہ سے زیادہ سوچے گا تو اسلام کی بہبود کی سوچتا ہے یا ایک پاکستانی پاکستان کی بہبود کی سوچتا ہے۔ انگلستان میں بسنے والا ایک انگریز انگلستان کی بہبود کی سوچتا ہے اور شاید ہی کوئی دل ایسا ہو جس کی گہرائی سے کل عالم اسلام کی خیر خواہی کی دعائیں اٹھتی ہوں اور جہاں تک میرا علم ہے تمام احمدی جو تمام دنیا میں، مشرق و مغرب میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں انہوں نے اپنا دستور بنا رکھا ہے کہ وہ نظام جماعت کے لئے یا خلیفہ وقت کے لئے، اپنے عزیزوں اور پیاروں کے لئے جہاں دعا کرتے ہیں وہاں انسانیت کو بحیثیت انسانیت پیش نظر رکھتے ہوئے کُل عالم کے انسانوں کے لئے ضرور دعا کرتے ہیں۔ یہ میرا ایک جائزہ ہے جو مختلف احمدیوں کے خطوط سے مترتب ہوتا ہے اور ویسے بھی اپنے دل کی کیفیت سے میں یہی اندازہ کرتا ہوں کیونکہ میرے اور جماعت کے دل کے دھڑکنے کے انداز ایک ہیں۔ ایک ہی نہج پر ہم سوچتے ہیں۔ ایک ہی طرز پر محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے جو میری کیفیات ہیں وہ سب جماعت کی ہونگی اور ایسا ہے بھی۔ کیونکہ خط لکھنے والے تو کم ہیں جو لکھتے ہیں مگر جو لکھتے ہیں وہ نمونے بھیج دیتے ہیں۔ وہ بتا دیتے ہیں کہ فجی میں ایسے ہی احمدی بستے ہیں جیسے نائیجیریا یا سیرالیون میں یا غانا میں یا امریکہ میں یا انگلستان میں یا جرمنی میں۔ غرضیکہ احمدی خط جہاں سے بھی ملتے ہیں ان کی ادائیں ایک ہوتی ہیں۔ پس احمدی مزاج ایک بین الاقوامی مزاج بن چکا ہے اور انسانیت کی بھلائی چاہنا، انسانیت کی بہبود چاہنا اس بین الاقوامی مزاج کی سرشت میں داخل ہے۔ اس میں کوئی بناوٹ نہیں۔ کوئی تصنّع کوئی

تکلف نہیں جس جماعت کو یہ بین الاقوامی مزاج نصیب ہو گا اس مزاج سے از خود تمام عالم کے لئے دعائیں پھوٹیں گی۔ پس اللہ تعالیٰ یہ نیا سال تمام دنیا کو بحیثیت انسان مبارک کرے اور اس پہلو سے آگے چل کر میں جو تحریک کروں گا اس کا تعلق اس سال کو انسانی بہبود کا سال بنانے سے ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہر سال ہم ایک مطمح نظر اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اس سال مطمح نظر یہ رکھیں کہ انسان کو انسانیت کے آداب سکھائے جائیں۔ اس سلسلہ میں میں انشاء اللہ چند ایک تجاویز بھی بعد میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

ابھی گذشتہ سال کے آخر پر ایک عجیب نوع کا جو عالمگیر جلسہ ہوا تھا اس کے متعلق مختلف ممالک سے جماعت احمدیہ سے وابستہ دوستوں کے جذبات مجھ تک پہنچ رہے ہیں۔ شروع شروع میں تو باقاعدہ ٹیلی فون یا فیکسز کے ذریعہ پیغام مل رہے تھے۔ اب خط بھی پہنچنے شروع ہو گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس جلسے کا جو اثر احمدی قلوب اور اذہان پر پڑا ہے وہ ہماری توقع سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے۔ اکثر لکھنے والوں نے یہ محاورہ استعمال کیا ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے جو کیفیت ہے اور میں لکھ نہیں سکتا جو کیفیت ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں جن سے بیان کر سکوں۔ میں اپنی کیفیت ہی نہیں بلکہ اپنے سارے ماحول کی کیفیت بتا رہا ہوں اور بعضوں نے لکھا کہ یہ صرف احمدیوں کا حال نہیں ہے جو غیر بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں ان کے دلوں کی بھی یہی کیفیتیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو بعض تاثرات بھیجے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ اسی طرح قادیان سے آنے والے ایک دوست نے بتایا کہ جو سکھ ہندو دوست جلسہ میں شریک تھے اور زیادہ تر سکھ تھے جب وہ مختلف مواقع پر قادیان کے مناظر دیکھتے تھے جن میں بعض دفعہ خود ان کی تصویریں بھی دکھائی دیتی تھیں تو بے اختیار ہو کر ان کی زبانوں سے نعرے بلند ہوتے تھے اور جب جماعت نعرے لگا رہی ہوتی تھی تو وہ بھی شامل ہو جایا کرتے تھے اور یہ کیفیت ساری دنیا میں ایک ہی طرح سے ایک ہی وقت میں رُونما ہو رہی تھی اگرچہ ساری دنیا میں اس وقت الگ الگ وقت تھے یعنی ایک لمحہ میں جو آواز اٹھ رہی تھی وہ چوبیس گھنٹے پر پھیلے ہوئے لمحوں کی آواز بن گئی۔ کہیں آدھی رات کی آواز تھی کہیں صبح سویرے کی آواز تھی کہیں تہجد کے وقت کی آواز تھی کہیں شفق صبح کی آواز بن گئی تھی کہیں شفق شام کی آواز بن گئی تھی۔ کہیں جھٹپٹے کی آواز تھی۔ گویا کہ چوبیس گھنٹے میں زمین کے گول ہونے اور اس کے چکر

لگانے کی بنا پر جتنے لمحے ہیں اس ایک لمحے کی آواز بیک وقت چوبیس گھنٹوں کے ہر لمحے کی آواز بن رہی تھی اور اس کیفیت کا ایک غیر معمولی اثر احمدیوں نے محسوس کیا۔ اس میں لطیفے کی ایک بات یہ بھی ہوئی کہ امریکہ کے ایک دوست نے خط لکھتے ہوئے بڑے جوش میں جلسے کے اثرات بیان کرنے شروع کئے کہ مجھے یوں لطف آیا اور پھر مجھے یوں لطف آیا اور اچانک انہوں نے کہا کہ ایک بات سوچ کر میرا رنگ فق ہو گیا اور وہ بات یہ تھی کہ میں نے سوچا کہ یہ نہ ہو کہ آپ امریکہ کا اگلا جلسہ بھی لندن ہی سے کروادیں۔ یہ لطیفہ میں نے گھر پر بچوں کو سنایا تو میری ایک بیٹی نے کہا کہ یہ نہ ہو کا کیا مطلب؟ اب تو یہ ہونا ہی ہونا ہے کیونکہ جماعت خدا کے فضل سے اس تیزی سے پھیل رہی ہے اور ہر ملک کی خواہش ہو گی کہ آپ ضرور جائیں۔ اب تو جلسے پھیلنے شروع ہو جائیں گے اور لازماً خلیفہ وقت جو بھی ہو گا جہاں بھی ہو گا وہاں سے وہ ہر جلسے میں شرکت کیا کرے گا تو میری دوسری بیٹی نے پھر ایک سالانہ کیلنڈر تجویز کیا کہ صبح اٹھ کر لوگ جس طرح تاریخیں پوچھتے ہیں یہ پوچھا کریں گے کہ آج کونسا جلسہ ہے تاکہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ اس جلسہ کو دیکھیں تو بہر حال یہ لطیفے بھی ہیں اور حقیقتیں بھی ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے احمدیت کی کائنات بدل دی ہے۔ موسم تبدیل کر دیئے ہیں۔ وہ احمدی جن کی آواز گھروں تک پہنچنے سے روکی جا رہی تھی وہ گھروں میں داخل ہو گئے ہیں۔ ساری دنیا کے گھروں میں داخل ہو کر ان کے دلوں میں اتر رہے ہیں۔ کون ہے جو خدا کی اس تقدیر کی راہ میں حائل ہو سکے۔ اب تو یہ سلسلہ پھیلے گا اور پھولے گا اور پھلے گا اور کوئی نہیں جو اس کی راہ میں حائل ہو سکے۔ یہ حضرت مسیح موعود....... کا وہ شاداب درخت ہے جس کی شاخوں نے تمام دنیا پر پھیل کر سب دنیا کے لئے سائے اور عاطفت کے سامان پیدا کرنے تھے۔

سب سے دلچسپ بات یا دلچسپ باتوں میں سے ایک بات کہہ لیجیئے جس کی طرف میری خاص توجہ گئی تھی اور جس کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ ساری دنیا کی جماعتیں بھی محسوس کر رہی ہیں وہ ہے عالمی بیعت۔ تاریخ عالم میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ اور رسول کے نام پر کوئی بیعت لی جا رہی ہو اور بیک وقت سارے جہاں میں اس بیعت کے ساتھ زبانیں بھی متحرک ہوں اور دل بھی دھڑک رہے ہوں اور ایک آواز کے ساتھ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا اقرار کرنا دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف

سے خدا تعالیٰ کی تقدیر کا ایک اظہار تھا۔ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہوا۔ یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایک انگریز نئے مسلمان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں بھی اس موقعہ پر بیعت کر لوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ فرشتوں کی تحریک تھی کوئی اتفاقی خیال نہیں تھا۔ ہمارا گزشتہ سال اس بیعت سے سج گیا ہے اس کے سر پر ایک تاج رکھا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ساری دنیا کی جماعت تجدید بیعت کے ذریعہ اب وفاؤں اور خدمتوں کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے کیونکہ ہر جگہ جماعت بیعت میں شامل تھی۔ یہ اس بیعت کی تعبیر ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ آئندہ پھر بیعتیں انشاء اللہ اسی طرح ہوا کریں گی کہ ایک جگہ جب کسی جلسہ میں بیعت ہو رہی ہو گی تو لاکھوں بیعتیں دنیا میں ساتھ ہو رہی ہوں گی اور وہ جو کروڑ کا تصوّر میں نے پیش کیا تھا اب وہ دور کی خواب و خیال اور خواہش کی بات نہیں رہی میں سمجھتا ہوں کہ اس کا وقت قریب آ رہا ہے کیونکہ جلسوں میں جو شریک ہوتے ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم یا خطبوں میں جو شریک ہوتے ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے متعلق پہلے دوسرے لکھتے ہیں پھر وہ خود خط لکھنے لگ جاتے ہیں اور آج کل تو تقریباً روز مرہ ڈاک میں ایسے خط نکلتے ہیں کہ ہمیں ایک احمدی دوست لے آئے تھے۔ ہم مسلمان تھے لیکن احمدی نہیں تھے بلکہ بعض سخت نفرتوں کا شکار تھے اور ایک جمعہ میں ہی آ کر کایا پلٹ گئی۔ اب ہم نے وہ کچھ دیکھا ہے جو سنی سنائی باتوں کے بالکل برعکس ہے۔ کان اور سنتے تھے۔ آنکھیں اور دیکھتی ہیں اور اب کان بھی اور سننے لگ گئے ہیں۔ اس قسم کے تاثرات مسلمانوں کی طرف سے ہی نہیں ہندوؤں کی طرف سے بھی، سکھوں کی طرف سے بھی اور انگریزوں یا یورپینز کی طرف سے بھی آنے شروع ہوئے ہیں اور بعض بیعتوں کے قریب پہنچ گئے۔ بعض نے اس شمولیت کی وجہ سے بیعتیں کر لیں تو جوں جوں یہ سلسلہ پھیلے گا جماعت سے باہر سننے والوں کی تعداد میں بھی خدا کے فضل سے نمایاں اضافہ ہو گا کیونکہ بعض جگہ سے تو یہ بھی اطلاع ملی کہ ایک غریب احمدی کو ڈش اینٹینا لگوانے کی توفیق نہیں تھی اس کے امیر ہمسائے کو جو غیر احمدی تھا جب پتہ چلا تو اس نے اینٹینا لگایا اور کہا کہ اپنے محلے کے سارے احمدیوں کو کہو کہ میرے گھر آ کر سنا کریں اور وہ سارے مل کر اب سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو اس لئے یہ جو گزشتہ سال ہے یہ خدا کے فضل سے واقعۃً جماعت احمدیہ کے لئے ایسی خوشخبریاں نہیں لایا جو یادیں بن کر ماضی میں رہ جاتی ہیں بلکہ ایسی خوشخبریوں کے پیغام لایا ہے جو مستقبل میں ہمارے آگے آگے نور کی طرح بھاگیں گی اور ہمیں تیز قدم چلنے کے اشارے کرتے ہوئے اور آگے بڑھیں گی اور اس طرح احمدیت کا یہ قافلہ شاہراہ ترقی اسلام پر خدائے واحد و یگانہ کی تکبیر کرتے ہوئے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے حسن و جمال کے گیت گاتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتا چلا جائیگا۔

گذشتہ خطبہ میں وقف جدید کا جو اعلان ہوا تھا اس میں دو باتیں تو غلطی سے ایسی بیان ہوئیں جن کی تصحیح ضروری ہے اور ایک پہلو "وقف جدید اطفال نو" کا ذکر رہ گیا تھا۔ وہ میں اب کروں گا۔ سب سے پہلے تو ایک عددی غلطی ہے یعنی جب میں نے پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کی جماعتوں کے علاوہ باقی دنیا میں وقف جدید کے وعدوں اور وصولی کے لحاظ سے 1991ء اور 1992ء کا موازنہ کیا تو غلطی سے یہ کہ دیا کہ 66 فیصد اضافہ ہوا ہے حالانکہ جو فقرہ نیچے لکھا ہوا تھا وہ 66 ہزار کا تھا اور باقی جگہ فیصد چل رہی تھی اس لئے میرے منہ سے بھی 66 ہزار کی بجائے 66 فیصد نکل گیا۔ یہ درستی ہو جانی چاہیئے۔ 64ء34 فیصد اضافہ ہوا تھا۔

دوسرے میں نے حضرت شیخ محمد احمد صاحب کا ذکر کرتے ہوئے ان کو (رفیق) بیان کر دیا تھا۔ آپ کی پیدائش دراصل 14۔ نومبر 1896ء کی ہے جب کہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب جو ان کے بزرگ (رفیق) والد تھے وہ اس سے پہلے احمدی ہو چکے تھے اور یہ پیدائشی احمدی تھے تو مجھے چونکہ یاد تھا کہ یہ پچھلی صدی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت مسیح موعود...... کے زمانے کا ایک بڑا حصہ انہوں نے پایا اس لئے میں نے (رفیق) کہہ دیا۔ اس سلسلہ میں ایک خط کا اقتباس میرے سامنے ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود...... نے شیخ محمد احمد صاحب کی پیدائش پر ان کے والد کے نام مبارک باد کا لکھا وہ خط یہ ہے۔
"محبی اخویم منشی ظفر احمد صاحب سلمہ! ....
لڑکا نوزاد مبارک ہو۔ اس کا نام محمد احمد رکھ دیں۔ خدا تعالیٰ باعمر کرے۔"

حضرت مسیح موعود...... سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اس زمانے میں کوئی سیکرٹری تو ہوا نہیں کرتے تھے اور کتابیں بھی لکھنا۔ بڑے بڑے مضامین لکھنا۔ پھر بے شمار اور دوسرے کام تھے کہ یقین نہیں آتا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اتنے کام ممکن ہیں۔ پھر اپنے (رفقاء) کی دلداری کے لئے اپنے ہاتھ سے آپ انہیں خط بھی لکھا کرتے تھے مگر تحریر مختصر اور بہت سے مضامین کو چند الفاظ میں سمیٹے ہوئے۔

اس خط میں یہ "باعمر کرے" والی جو بات ہے یہ ہر خط میں آپ نہیں لکھا کرتے تھے۔ کسی خط میں کوئی دعا ہوتی تھی۔ کسی خط میں کوئی دعا ہوتی تھی اور یہ پڑھ کر مجھے خیال آیا کہ جماعت کو بھی اپنے ان جذبات میں شریک کروں کہ حضرت شیخ محمد احمد صاب کی عمر غیر معمولی حالات میں، بہت سخت بیماریوں کا شکار رہنے کے باوجود خدا کے فضل سے لمبی سے لمبی ہوتی چلی گئی ہے اور دعا کا ایک چھوٹا سا فقرہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ باعمر کرے تو باعمر تو ہو گئے اور اب سو سال پورے ہونے میں چار سال رہتے ہیں۔ اللہ کرے

کہ یہ اگلی صدی بھی دیکھیں۔ عمر کی اگلی صدی بھی اور دوسری بھی۔ یہ تو ہماری ایک خواہش اور تمنا ہے لیکن یہ دعا ضرور ساتھ کرنی چاہیئے کہ صحت و عافیت کی شرط کے ساتھ، باہوش بامراد رہتے ہوئے ایسی حالت میں لمبی زندگی کی دعا کرنا مناسب نہیں کہ انسان صاحب فراش ہو چکا ہو۔ دوسروں پر بوجھ بن چکا ہو اور حضرت شیخ صاحب کے متعلق تو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ بڑے خود دار انسان ہیں اور ادنی سا بوجھ بھی کسی پر ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہماری تمنا اور خواہش ہے البتہ اللہ کے ہاں جو بھی منظور ہو اسی پر ہم راضی ہیں۔ پس ان کو جو (رفیق) کہا گیا تو اس لئے کہ خیال تھا کہ اس زمانے میں ضرور کسی وقت گئے ہوں گے لیکن یہ معلوم کر کے تعجب ہوا ہے کہ کبھی بھی حضرت مسیح موعود......... کی خدمت میں خود حاضر ہونے کا موقعہ نہیں ملا اور اس زمانے میں جو بعض عشاق (رفقاء) تھے ان کی عشق کی عجلت نے بھی ایسا کیا ہے۔ بعض دفعہ انسان ایک خیال میں ایسا مگن ہو جاتا ہے کہ اپنے گردوپیش، اپنے ماحول، اپنے بچوں تک کی فکر نہیں رہتی تو وہ اس شدّت کے جذبے سے قادیان کی طرف کھینچے جایا کرتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی ہوش نہیں تھی کہ میں اپنے بچے کو بھی لے جاؤں اور اس کو بھی (رفیق) بنا لوں مگر میں نے جو (رفیق) کہا تو صرف عمر کی وجہ سے نہیں۔ ان کی ادائیں بھی (رفقاء) والی ہیں۔ پس میری غلطی تو اپنی جگہ لیکن ان سے بھی تو پوچھیئے کہ وہ کیوں اتنے پیارے ہوئے۔ جنہوں نے اپنی ساری زندگی (رفقاء) کی طرح صرف کی ہو۔ ان کو اگر غلطی سے (رفقاء) میں شمار کر لیا جائے تو انسانی نقطۂ نگاہ سے تو غلطی ہے مگر خدا تو بغیر غلطی کے شامل کر سکتا ہے۔ پس آخری دعا جو میں کرتا ہوں اور آپ سے بھی اس کی گزارش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ محمد احمد صاحب کے لئے یہ دعا کریں کہ میرے منّہ سے جو غلطی سے نکلا تھا خدا کی تقدیر میں واقعۃً لکھا جائے اور اللہ کے رجسٹر میں ان کا شمار (رفقاء) میں ہو۔

اب میں مختصراً وقف جدید کے اطفال کے دفتر کا ذکر کرتا ہوں۔ 1966ء میں دفتر اطفال کا اجراء ہوا تھا پہلے سال 3 ہزار 365 روپے وصولی تھی اور 1991ء میں خدا کے فضل سے وصولی بڑھ کر 6 لاکھ 22 ہزار 596 ہو چکی ہے لیکن یہ وصولی دراصل صحیح حقیقت پیش نہیں کر رہی کیونکہ بیرونی دنیا میں اکثر ممالک میں دفتر اطفال کا الگ طور پر ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے آئندہ سے اگر تمام دنیا کی جماعتیں دفتر اطفال کا حساب الگ رکھنا شروع کر دیں تو اس سے صحیح شکل سامنے آئے گی اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بہت سی مائیں اپنے بچوں کی طرف سے چندے دیتی ہیں اور بچوں کو پتہ ہی نہیں لگتا اور دفتر اطفال کے قیام کے لئے بہت حد تک یہ غرض پیش نظر تھی کہ بچوں کو علم ہو کہ وہ بھی چندہ دے رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے چندے نکلیں اور انہیں چندوں کا شوق پیدا ہو اور بچپن کی چندوں کی یادیں آئندہ ان کے

چندے دینے کے لئے ضمانت بن جائیں یا ممد ثابت ہوں۔ میں نے اس سلسلہ میں اپنی ان دو بچیوں سے سوال کیا جو شادی شدہ ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں وہ سب بچوں کی طرف سے چندے دے رہی ہیں لیکن جب پوچھا کہ ان کو علم ہے تو پتہ لگا کہ نہیں۔ یہ غلطی ہے۔ ہماری والدہ تو ہمیں بتا کر بلکہ پیسے دیکر پھر واپس لیا کرتی تھیں یہ سمجھا کر کہ تم چندہ دے رہے ہو میں نہیں دے رہی۔ اس کا دل پر بڑا گہرا نقش ثبت رہا اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے اطفال کی تحریک کے سلسلہ میں تمام دنیا کی جماعتوں کو میں متوجہ کرتا ہوں کہ بچوں کے دفاتر اپنے ہاں قائم کریں اور آئندہ سے جو ماں باپ بچوں کی طرف سے چندہ دیں ان کو بتا کر دکھا کر دیں بلکہ ان کو دیکر پھر واپس لیں اور کہیں کہ یہ تمہاری طرف سے چندہ ہے۔ اگر ایسا کریں گے تو بچوں کے چندوں میں بھی ایک فرق آنا شروع ہو جائیگا۔ بچوں کے وہ چندے جو ماں باپ کی طرف سے لکھائے جاتے ہیں مثلاً پاکستان میں اگر 6 روپے مقرر ہے تو اکثر صورتوں میں 6 روپے ہی رہتے ہیں لیکن جہاں بچے شامل ہو جائیں اور اپنے مزاج اور اپنے شوق کے مطابق لکھوائیں تو وہاں اونچ نیچ پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی بچہ 6 دے رہا ہے کوئی دس دے رہا ہے۔ کوئی پندرہ دے رہا ہے۔ بعض بچے اپنے جیب خرچ اکٹھے کرتے ہیں اور پھر وہ ساری کی ساری جمع شدہ رقم دے دیتے ہیں تو دراصل یہی وہ مقصد ہے جس کی خاطر دفتر اطفال کو الگ کیا گیا تھا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالیٰ باقی دنیا میں بھی دفتر اطفال الگ ہو گا تو آئندہ نسلوں کی تربیت کی بہت توفیق ملے گی۔

پاکستان میں دفتر اطفال میں جو اوّل، دوم، سوم آئے ہیں اب ان کا اعلان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے تو اہل ربوہ خوشخبری سننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ سارے پاکستان میں دفتر اطفال میں سب سے زیادہ ربوہ کے بچوں نے حصہ لیا ہے اور کمیت کے لحاظ سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی خدا کے فضل سے ربوہ کے بچوں نے 88 ہزار 538 روپے اس مد میں ادا کئے۔ دوسرے نمبر پر لاہور کی باری ہے اور تیسرے نمبر پر کراچی کی۔ لیکن مجھے یہ خیال ہے کہ کراچی زیادہ دیر تک تیسرے نمبر پر نہیں رہے گا۔ وہ یہ سن کر کافی شرمندہ ہوں گے کہ لاہور سے تقریباً تیسرا حصہ پیچھے رہ گئے ہیں یعنی لاہور ان سے تین حصے آگے بڑھ گیا ہے۔ اب میں زیادہ اعداد و شمار نہیں بتاتا کیونکہ شرمندہ کرنا مقصود نہیں بلکہ محض مہمیز دینا میرے پیش نظر ہے کہ ذرا ولولے پیدا ہوں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ راولپنڈی چوتھے نمبر پر آتا ہے۔ گوجرانوالہ پانچویں نمبر پر۔ سیالکوٹ چھٹے پر۔ سرگودھا ساتویں پر۔ فیصل آباد آٹھویں نمبر پر۔ شیخوپورہ نویں پر اور تھرپارکر دسویں نمبر پر۔

اب میں اس مضمون کی طرف آتا ہوں جس کا میں نے ابتداء میں تعارف کرایا تھا کہ اس وقت

دنیا کو سب سے زیادہ انسانی قدروں کو بحال کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ انسانی قدریں ہر پہلو سے پامال ہو رہی ہیں۔ ہر قسم کے جرائم بڑھ رہے ہیں اور ان کے نتیجہ میں انسانی ضمیر کچلا جا رہا ہے اور اکثر جگہ تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر دم توڑ چکا ہے۔ کوئی حیاء، کسی قسم کی کوئی غیرت، انسانیت کی کوئی رمق بھی بعض جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ مثلاً جہاں چھوٹے بچوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ جہاں بیگار کیمپ اس طرح چلائے جا رہے ہیں کہ کسی کے معصوم بچے کو اغواء کر کے اس کو نہایت خطرناک تکلیف دہ مزدوری میں مبتلا کر کے چند پیسے کمانے کی خاطر اتنے بڑے ظلم توڑے جا رہے ہیں۔ ساری زندگی کے لئے اس بچے کے لئے بھی ایک عذاب کی زندگی ہے اور ماں باپ کے لئے بھی ایک عذاب کی زندگی ہے۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کہاں نکلے گئے بچے اور وہ بچے خوف و ہراس میں اتنا مبتلا کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ آواز بھی بلند نہیں کر سکتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک احمدی بچہ اغواء ہونے کے بعد اسی قسم کے ایک کیمپ سے نکل کر بھاگ کر پہنچا تھا اور اس نے جو روئیداد سنائی وہ تو ایسی ہے کہ سن کر دل بیٹھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور احسان تھا کہ اس کی دعاؤں کے نتیجہ میں اسے توفیق مل گئی ورنہ جو جو کام وہاں ہوتے ہیں اور کئے جاتے ہیں اور جس قسم کی گراوٹ کی باتیں وہاں ہوتی ہیں اس کے تصوّر سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ کیمپ اسلامی مملکت پاکستان میں بھی جاری ہیں اور ہندوستان میں بھی۔ اور وہ جو اسلام کے نام پر جہاد کرنے والے پٹھان ہیں وہ بد قسمتی سے سب سے زیادہ اس میں ملوث ہیں۔ عجیب و غریب تضادات کی دنیا بن چکی ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسانی قدریں تو پاؤں تلے روندی جائیں بلکہ ایسی گندی کر دی جائیں کہ ان پر پاؤں رکھتے ہوئے حیاء آتی ہو اور باتیں آسمان کی اور الوھیت کی اور خدا کی عزت اور جلال کی ہوں اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی حمد و ثناء کے گیت گائے جا رہے ہوں اور نیچے یہ ہو رہا ہو تو یہ اتنا بڑا تضاد ہے کہ اس تضاد سے طبیعت میں متلی پیدا ہونے لگتی ہے۔ پس انسانی قدروں کے لئے ایک عالمی جہاد کی ضرورت ہے اور جماعت کو ہر جگہ اس کو موضوع بنانا چاہیئے۔ انگلستان اور یورپ وغیرہ میں یہی بدی اور طرح سے پائی جاتی ہے وہاں بھی پائی جاتی ہو گی لیکن یہاں تو ماں باپ اپنے ہی معصوم بچوں پر ظلم کرتے ہیں یا ان کے رشتہ دار ظلم کرتے ہیں یا ویسے بچوں کو پکڑ کر لیجاتے ہیں۔ زیادتی کی اور پھر بہیمانہ طور پر قتل کر کے پھینک دیا۔ یہ ساری ایسی بیماریاں ہیں جو گہری دبی ہوئی ہیں اور جو چند باتیں میں بتا رہا ہوں یہ وہ پھوڑے ہیں جو ان گہری بیماریوں میں سے کہیں کہیں سطح پر پھوٹ رہے ہیں۔ جب تک سارے خون میں فساد واقع نہ ہو جائے اس وقت تک ایسے مکروہ پھوڑے جسم پر نہیں ہوا کرتے۔ ان بیماریوں کی تفصیل میں جانیکی ضرورت نہیں ہے۔

انسان کی بڑی بد نصیبی ہے کہ بنیادی انسانی قدروں سے نا آشنا ہو چکا ہے اور جو رہی سہی قدریں ہیں ان کا مذہبی رہنما خون کر رہے ہیں اور ان قدروں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے انہوں نے گویا ایک برعکس جہاد کا اعلان کر رکھا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ یہ تو انسان کے ایسے مظالم ہیں جن میں کوئی ملاں، کوئی پنڈت، کوئی پادری براہ راست ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ اپنی مسجدوں، مندروں اور معابد سے یہ اعلان تو نہیں کرتا کہ تم ایک دوسرے پر ایسے ایسے مظالم کرو لیکن بالواسطہ ذمہ دار ضرور بن جاتا ہے کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے سوسائٹی میں یہ سارے واقعات ہو رہے ہوتے ہیں لیکن اس کی انسانیت کی رگ نہیں پھڑکتی۔ خدا تعالیٰ سے محبت کے تقاضوں میں انسانی ہمدردی کا تقاضہ داخل ہی نہیں ہے گویا معبود کی دنیا الگ ہے اور عبادت کرنے والوں کی دنیا الگ ہے۔ محبت کا جو رخ ہے آسمان کی طرف ہی ہے اور زمین محبت سے خالی ہو گئی ہے۔ ایسی محبت جو محض خدا سے کی جائے اور بنی نوع انسان سے اس محبت میں ہاتھ کھینچ لئے جائیں تو اس محبت کو رفع ہو ہی نہیں سکتا۔ لعنتوں اور پھٹکاروں کے ساتھ وہ محبت ان لوگوں کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ اس لئے بلاواسطہ تو نہیں مگر بالواسطہ یہ لوگ یقیناً ذمہ دار ہیں جن کے مقاصد زندگی میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ کی محبت کے ساتھ بنی نوع انسان کے حقوق کا تصور پیدا کریں۔ ان کا پیار دلوں میں پیدا کریں اور ظلم اور سفاکی کو دنیا سے مٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں لیکن ایک اور ظلم ہے جس میں یہ بلاواسطہ خود شریک ہوتے ہیں اور وہ ہے کہ مذہب کے نام پر نفرتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور دنیا کے ہر مذہب میں یہ اس کثرت سے اور اس بے حیائی سے ہو رہا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی عقلیں کہاں گئی ہیں۔ مذہب کے اعلیٰ مقاصد میں خدا کی عبادت ہے اور خدا کی عبادت بندوں کے ساتھ حسن سلوک از خود سکھاتی ہے جس عبادت کے نتیجہ میں انسان خدا کی مخلوق سے دور ہو رہا ہے وہ شیطان کی عبادت تو قرار دی جا سکتی ہے اللہ کی عبادت قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس عبادت کا کیا فائدہ جس کے نتیجہ میں خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کر دیئے جائیں اور خالق کے نام پر مخلوق پر ظلم توڑے جا رہے ہوں۔

پس اس وقت مذہبی بحثوں کا وقت نہیں ہے وہ بھی جہاں مناسب ماحول ہو چلیں گی لیکن انسانیت کو اس وقت انسان بننے کا پیغام دینے کی ضرورت ہے۔ انسانی قدروں کے لئے ایک عالمی سطح کا جہاد جاری کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پہلو سے میں جماعت احمدیہ کو دعوت دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ انفرادی طور پر یا من حیث الجماعتہ جماعت کی طرف سے کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں جب تک دوسروں کو بھی اس معاملہ میں عقل دیگر اور دعوت دیگر ساتھ شریک نہ کریں۔ ہمیں اس پیغام کو عام کرنا

ہوگا۔ اور اگر جماعت احمدیہ کی طرف سے مثلاً حکومتوں کے سربراہوں کو، بڑے بڑے دانشوروں کو، اخباروں میں لکھنے والوں کو جو اہل قلم لوگ ہیں ان کو خطوط لکھے جائیں۔ ان کو سارا سال اس طرف متوجہ کیا جائے اور مختلف تجاویز ان کے سامنے رکھی جائیں تو پھر یہ ایک ایسی کوشش ہے جو ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے دلوں میں بھی تبدیلی پیدا کردے جو دل بااختیار ہیں جن کے پیچھے ایک قوم ہے۔ ان ہاتھوں میں بھی جنبش پیدا کردیں جن کو عنان حکومت تھمائی جاتی ہے۔ جو ان دماغوں میں ایک تبدیلی پیدا کریں جن کی فکر قوم کی فکر بن جایا کرتی ہے۔ پس ہر پہلو سے اہل دانش، اہل قلم، اہل دل لوگوں کو جماعت احمدیہ کی طرف سے سمجھا کر محبت سے پیار سے یہ باتیں پہنچانی ضروری ہیں اور آئندہ سارا سال دنیا کی ہر جماعت جو میرے اس پیغام کو سن رہی ہے اس میں چھوٹے بڑے سب شریک ہو جائیں۔ اگر بچے اپنی زبان میں ایک بات لکھ سکتے ہیں تو کیوں نہ لکھیں۔ بعض دفعہ بچوں کی زبان دل پر زیادہ اثر کرتی ہے اور واقعۃً بڑا گہرا اثر کرتی ہے۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ جن بچوں کو کہنا نہیں آتا وہ بھی کچھ لکھ دیں تو دل پر اثر پڑ جاتا ہے۔ مجھے بعض دفعہ بچوں کے ایسے خط آتے ہیں کہ اپنی طرف سے انہوں نے ایک بہت خوبصورت عبارت لکھ کر بھیجی ہوتی ہے اور وہ صرف گول مٹول حروف ہیں اور چکر لگائے ہوتے ہیں جیسے کسی مکھی کو سیاہی میں بھگو کر کاغذ پر پھرا دیں یا مکڑی کو سیاہی میں بھگو کر کاغذ پر پھرا دیں اور وہ اپنے والدین سے کہتے ہیں کہ میں نے اپنی طرف سے ایک بہت اچھا خط لکھا ہے۔ اس پر پتہ لکھ کر آپ بھیج دیں اور مجھے اس کا جواب چاہیئے۔ چنانچہ اس خط کو پڑھنے کا بڑا مزا آتا ہے۔ بڑا لطف آتا ہے کیونکہ اس خط میں محبت ہی محبت ہوتی ہے اور جس محنت سے وہ بچہ لکھ رہا ہوتا ہے وہ ساری محنت از خود زبان بن جاتی ہے تحریر بولنے لگتی ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ کتنا پیارا بچہ ہے۔ کتنی اس نے محنت کی ہے۔ کتنا اہتمام کیا ہے۔ قلم مانگا۔ سیاہی لی۔ کاغذ کہیں سے پکڑا اور کہیں چھپ کر بیٹھ گیا اور اس نے کہا کہ میں خط لکھ کر لاتا ہوں اور پھر توقع یہ کہ میں بھی اسے جواب دوں۔ یہ پیغام مجھے زبانی پہنچا ہوتا ہے تو بعض دفعہ میں بھی ویسی ہی تحریر بنا کر نیچے دستخط کر کے بھیج دیتا ہوں اور ماں باپ کو کہتا ہوں کہ گونگے کی بولی ماں باپ ہی سمجھتے ہیں تو آپ بھی یہ زبان سمجھتے ہوں گے۔ آپ ان کو بتا دیں کہ کیا لکھا ہے۔ پتہ نہیں وہ میری زبان ٹھیک پڑھتے ہیں کہ نہیں مگر میں بچوں کی زبان تو ٹھیک پڑھ لیتا ہوں تو بچے بھی لکھیں۔ جس حد تک توفیق ہے ملکوں کے سربراہوں کو لکھیں۔ دانشوروں کو لکھیں۔ مولویوں کو لکھیں۔ پنڈتوں کو لکھیں۔ پادریوں کو لکھیں اور کہیں کہ خدا کا خوف کرو۔ اگر اخلاق دنیا سے اٹھ گئے تو مذہب کا رہے گا کیا؟ اگر انسانیت ہی قائم نہ ہوئی تو کیا حیوانوں سے خدا رشتے کرے گا۔ ان حیوانوں میں کیوں خدا نے نبی نہ بھیج دیئے جن سے بدتر تم ہوتے

چلے جا رہے ہو اس لئے انسان کو انسانیت کے آداب سکھاؤ۔ جماعت احمدیہ نے ایک عالمگیر تحریک پیش کی تھی جس کا ذکر میں نے گزشتہ خطاب میں بھی کیا تھا یعنی پیشوایان مذاہب کے جلسوں کا انعقاد۔ یہ بہت مفید ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب انسانیت کے نام پر ہمیں جلسے کرنے چاہئیں۔ تحریک بہبودِ انسانیت کے نام پر تمام دنیا میں جلسے منعقد کرنے چاہئیں۔ اس میں صرف مذاہب کے نمائندے نہیں آئیں گے دہریے بھی آئیں گے۔ ہر قسم کے لوگ آئیں گے۔ ان کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ انسانیت ہے کیا؟ دنیا میں انسانیت کا شرف دوبارہ قائم کئے بغیر انسانی قدروں کو بحال کئے بغیر ہم جو عالمی انصاف کی یا عالمی امن کی باتیں کرتے ہیں وہ صرف منہ کی باتیں ہیں ان میں کوئی بھی حقیقت نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں بڑے دلچسپ پروگرام بنائے جا سکتے ہیں۔ بڑے اچھے اچھے جلسے کئے جا سکتے ہیں اور ان جلسوں میں پسماندہ قوموں کے حقوق کے اوپر بھی بحث ہو سکتی ہے لیکن یہ دراصل بعد کی باتیں ہیں پہلے میں سمجھتا ہوں کہ صرف انسانی قدروں کی بات ہونی چاہیئے۔ انسانی قدروں کے حوالوں سے بعض دفعہ یہ بات بھی آئے گی کہ ہم ایک ملک میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایک اور ملک سے جہاں فاقے کئے جا رہے ہیں۔ اگر انسانی قدریں زندہ ہوں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ انسانی قدروں کی راہ میں قومی دیواریں حائل ہو گئی ہیں۔ کہیں مذہبی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ کہیں نظریاتی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ پس ان سب مصنوعی جھوٹی دیواروں کا ٹوٹنا ضروری ہے اور وہ اندرونی دباؤ سے ٹوٹنی چاہئیں۔ بیرونی حملے سے نہیں۔ اندرونی دباؤ جو انسانیت کے زندہ ہونے سے دلوں سے پیدا ہو گا اور قوم کے اندر جب وہ مجموعی طور پر زیرو بم دکھائے گا۔ اس کے اندر اونچ نیچ ہو گی۔ جذبات میں بعض دفعہ کمی آتی ہے بعض دفعہ زیادتی ہوتی ہے تو میری مراد یہ ہے کہ جب انسانیت کے سانس چلنے لگیں گے جب انسانیت کا دل دھڑکنے لگے گا۔ جب انسانی جذبات میں تموّج پیدا ہونے لگے گا تو وہ اندرونی دباؤ ہے جو تعصّب کی یہ دیواریں توڑے گا ورنہ تعصّب کی دیواریں باہر سے نہیں توڑی جا سکتیں یہ گہرا نفسیاتی نکتہ ہے تعصّب کی دیواروں کو جب باہر سے توڑنے کی کوشش کرو گے تو تعصّب بڑھے گا۔ پس اندر سے سوچوں کو بدلنا پڑیگا۔ نظریات میں تبدیلی پیدا کرنی ہو گی۔ پس جماعت احمدیہ کے جتنے فکر رکھنے والے، جتنے دل رکھنے والے صاحب نظر لوگ ہیں ان سب سے میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کریں اور دراصل ہر احمدی عام گفت و شنید کے ذریعہ بھی اپنے ارد گرد چھوٹے چھوٹے حسین جزیرے قائم کر سکتا ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک بنیادی مادہ ہونا چاہیئے جو پھیلنے کی صلاحیت ہے اور بعض پیغامات ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں پھیلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ پیغام بھی ان پیغاموں میں سے ایک ہے۔

یہ ایک ایسا پیغام ہے جو فی الحقیقت انسانی دل کی آواز ہے۔ انسانی فطرت سے پھوٹا ہوا پیغام ہے۔ پس احمدی خواہ دانشور ہو یا غیر دانشور ہو۔ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو اگر وہ اپنے ماحول میں ایک زندہ پیغام کی بات کرتا ہے تو اس کا پیغام اسی طرح سنا جائیگا جیسے کہا گیا ہے کہ

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

پس زندہ پیغام کی یہ نشانی ہوتی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج دنیا غیر انسانی ہوتے ہوئے بھی انسانیت کے لئے ترس رہی ہے۔ اس کی گہری فطرت کی یہ آواز ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ پس جب احمدی یہ آواز بلند کریگا تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ آواز تو دل سے اٹھے گی اور ضرور دل میں جا بیٹھے گی اور پھر وہاں نشوونما پائے گی اور پھوٹے گی۔ پھر اپنے دائیں بائیں دوسرے غیر انسانی لوگوں کو انسان بنانے کے لئے کوشاں ہو جائیگی۔ پس ایک تو جلسوں کے متعلق تھا یعنی انسانیت کے موضوع پر جلسے کرنے چاہئیں دوسرے میں سمجھتا ہوں کہ حکومتوں کو اس نقطہ نگاہ سے آپس میں معاہدے کرنے چاہئیں۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں نفرتیں پائی جاتی ہیں یا بعض نفرتیں تاریخی طور پر لمبی گہری جڑیں ہمارے ماضی میں پھینکے ہوئے ہیں اور جمائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں نفرت اسی وقت زیادہ خطرناک بنتی ہے جب اس کی جڑیں زیادہ دور تک ماضی میں دراز ہو چکی ہوں۔ مذہبی نفرتوں کا بھی یہی حال ہے۔ قومی اور سیاسی نفرتوں کا بھی یہی حال ہے۔ نفرت کی وہ تاریخ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بعض بدبخت کھود کر وہ نکالتے ہیں اور پھر ماضی کی نفرتوں کو حال میں اور مستقبل میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں ان کا کام ہی یہی ہے۔ پس اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ حکومتوں کے درمیان سمجھوتے ہونے چاہئیں اور ایک ضابطۂ حیات طے ہونا چاہیئے۔ مثلاً پاکستان اور ہندوستان کے درمیان یہ جو ہندو مسلمان کی ایک تاریخی نفرت ہے اور بعض دفعہ یہ سکھ مسلمان نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ ہندو سکھ نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے بعض دفعہ اچھوت غیر اچھوت نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے یہ ساری وہ نفرتیں ہیں جن کی جڑیں ہندوستان کی تاریخ میں سینکڑوں سال تک گہری ہیں اور ان کے متعلق جب تک پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کی حکومتیں مل کر یہ فیصلہ نہ کریں کہ ہم اپنے اپنے ملک میں اس قسم کی نفرتوں کو نہیں پنپنے دیں گے اور اس ضمن میں بعض اصولی فیصلے کر کے اپنے اپنے ملک کے قوانین میں ان فیصلوں کو داخل نہ کریں نفرتوں کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ اگر ایسا کریں گے تو یہ سنجیدگی کے ساتھ ایک ایسا قدم ہوگا جس کے اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے ورنہ محض منہ کی باتیں ہیں۔

دوسرے انسان اور انسان کے درمیان نفرتوں کو کم کرنے کے لئے مذہبی لحاظ سے بھی ایسے ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے جو دنیا کے سب ملکوں کو قابل قبول ہو خواہ وہ قبول کریں یا نہ کریں لیکن قابل قبول ضرور ہو یعنی کوئی عقلی دلیل اس کے خلاف نہ ہو مثلاً اگر یہ ضابطۂ اخلاق اسلامی جیسا کہ پاکستان میں آج کل رائج ہے اگر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو کسی کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ کہ ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے کے باقی سب سے زائد حق حاصل ہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ تمہارے مذہب کو تبدیل کریں تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تم ہمارے مذہب کو تبدیل کرو۔ اب یہ وہ ایسا پیغام ہے جس کے عالمی ہونیکا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور غیر عالمی مقامی پیغام اسلام کی طرف منسوب کرنا ظلم ہے۔ اس کا جھوٹا ہونا اسی سے ثابت ہے کہ یہ جغرافیائی پیغام ہے جو محدود علاقوں کے لئے ہے۔ کتنے ملک ایسے ہیں اور کتنے طاقتور ہیں وہ ملک جن میں اسلام مذہب کے طور پر غالب ہے۔ دنیا کے ممالک کی بھاری اکثریت ایسی ہے جن میں یا تو اسلام کا ذکر ہی کوئی نہیں یا ہے تو بالکل معمولی حیثیت میں ہے اور ایسے پھر بہت سے ملک ہیں جہاں اسلام موجود ہے حیثیت بھی ہے لیکن اکثریت کی طاقت حاصل نہیں ہے تو ایسا ضابطۂ حیات بعض اسلامی ملکوں میں اسلام کے نام پر اختیار کرلینا جس میں فی ذاتہ زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں، جس کو کل عالم کا پیغام نہیں بنایا جا سکتا۔ قومیں اور قوموں کی فطرتیں اس کو قبول نہیں کریں گی۔ ایسے پیغام کو اسلام کے نام پر دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرنا ایک قومی مذہبی خودکشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ پس ایسا ضابطۂ حیات طے کریں اور یہ بات طے کرنے کا شعور اور سلیقہ اسلامی ملکوں کو تب آئیگا جب غیر اسلامی ملکوں سے گفت و شنید کریں گے اور آپس میں صلح کی خاطر امن کی خاطر ایسے سمجھوتے کرنے کی کوشش کریں گے جو دونوں ملکوں میں یکساں قابل عمل ہوں۔ جب آپ یہ بات کرتے ہیں تو انسانی قدر مشترک کی بات از خود آجاتی ہے۔ پس اس پہلو سے یہ انسانیت کو فروغ دینے کی کوشش میں سے ایک اہم کوشش ہوگی۔ پس ضابطۂ حیات طے کریں۔ مثلاً جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ عدل کی حکومت ہونی چاہیئے۔ اور جیسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے نہ صرف فرمایا بلکہ کر کے دکھایا۔ اگر عالم اسلام مدینہ کا چارٹر جو CHARTER OF MADEENA کے نام سے مشہور ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور یہودیوں اور وہاں کے بسنے والے مشرکین کے درمیان اور عیسائیوں کے

درمیان ایک معاہدے کی شکل میں لکھا گیا۔ اس چارٹر کو اگر ساری دنیا کے PEACE چارٹر کے طور پر پیش کیا جائے۔ صرف ایک فرق کے ساتھ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی لیڈر شپ کے الفاظ دنیا وہاں قبول نہیں کریگی اور ویسے بھی وہ چارٹر اس حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلّم کی زندگی تک عمل رکھتا تھا لیکن اس پہلو کو چھوڑ کو وہ مدینہ کا چارٹر ساری دنیا کے لئے امن کا چارٹر بن سکتا ہے۔ بہت ہی گہرے عدل پر مبنی ہے اور اس چارٹر کے بعد کسی قوم کو کسی دوسری قوم سے خطرہ درپیش نہیں ہوگا۔ پس پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش، برما ان سب ملکوں میں یہ مسائل بڑے بھاری اور گہرے مسائل ہیں یعنی آپس میں مذہبی منافرتوں کے مسائل۔ ان کو یہ اختیار کرنا چاہیئے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ان سب ملکوں کا بھلا ہوگا لیکن پتہ نہیں کیوں یہ مذہبی جنون کی حوصلہ شکنی نہیں کر رہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سیاستدان ذمہ دار ہے۔ سیاستدان کی خود غرضی ہے جو ساری قوم پر بلکہ ساری انسانیت پر یہ ظلم کر رہی ہے لیکن جب ملک آپس میں بیٹھیں گے تو ایک دوسرے کو تقویت دے رہے ہوں گے۔ پھر یہ اپنے اپنے ملک کے مذہبی جنونیوں سے کم ڈریں گے اور ایک بڑی سطح پر ایسے فیصلے کرنے کی زیادہ اہلیت رکھیں گے کہ مذہب میں اس بات کی اجازت ہوگی اس بات کی نہیں ہوگی۔ مثلاً چند باتیں ہیں جو مختصر وقت میں بھی میں آپ کے سامنے رکھ سکتا ہوں۔ اوّل یہ کہ مذہبی آزادی کو ان سب ملکوں کو تسلیم کرنا ہوگا اور مذہبی آزادی میں تبلیغ کرنے کے حق کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے تو ہر پاکستانی مسلمان کو یہ حق ہوگا کہ ہر ہندو کو تبلیغ کرے اور ہر ہندو کو ہندوستان میں اور پاکستان میں بھی یہ حق ہوگا کہ ایک مسلمان کو تبلیغ کرے۔ اس حق کے ساتھ جو بین الاقوامی حیثیت کا حق ہے کسی مذھب کو کسی دوسرے مذہب پر فوقیت نہیں دی جا سکتی بلکہ برابر کا حق ہے اور دراصل تبلیغ میں یہ برابری کا حق ہونا شامل ہے لیکن مولویوں کو اس بات کی عقل نہیں آتی کہ جب یہ تبلیغ کا حق صرف اپنے لئے محفوظ کراتے ہیں تو تبلیغ کہتے کس کو ہیں۔ کسی کو پیغام پہنچائیں گے کہ نہیں پہنچائیں گے جب پہنچائیں گے تو کیا اس کو جواب کا حق نہیں دیں گے۔ اس کو کہیں گے کہ تمہارے دل میں خواہ کتنے خدشات ہوں۔ کتنے بھاری اعتراض ہوں منہ سے نہیں بولنا اور اگر کہیں گے کہ بولو تو پھر وہ بھی آپ کو تبلیغ کر رہا ہے تو تبلیغ تو یکطرفہ ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ فارمولا انتہائی جاہل دماغوں کی پیداوار ہے کہ مسلمان دوسرے کو تبلیغ کر

سکتا ہے غیر مسلم مسلمان کو تبلیغ نہیں کر سکتا۔ اختلاف رائے کو کھنگالنے کا نام ہی تو تبلیغ ہے اور عقل کو قائل کرنے اور دلوں کو قائل کرنے کے بعد کسی دوسرے مذہب میں داخل کرنے کا نام ہی کامیاب تبلیغ ہے۔ پس ہندو کو بھی حق ہے۔ سکھ کو بھی حق ہے۔ ہر اقلیت کو حق ہے اور اس حق کے سوا کوئی عقل کا فیصلہ ہے ہی نہیں۔ اس کے متبادل کوئی اور تجویز نہیں ہے۔ جب یہ تسلم کریں گے تو اس کے ساتھ ہی پھر دوسرا سوال اٹھ کھڑا ہو گا کہ جب تبلیغ کریں گے تو منافرتیں پھیلیں گی۔ یہاں پہنچ کر جماعت احمدیہ قدم قدم پر ان کی بڑی عمدہ راہنمائی کر سکتی ہے۔ اختلاف رائے کا اظہار کرنا ہرگز انسانی حقوق کے منافی نہیں ہے بلکہ انسانی حقوق میں داخل ہے۔ کسی مذہب کے عقائد کو تسلیم نہ کرنا ہرگز دل آزاری نہیں کہلا سکتا کیونکہ یہ ایک فطری بات ہے کہ میں وہی مانوں گا جو میں سمجھتا ہوں اور جو میں سمجھتا ہوں۔ اگر میں وہ بیان کروں تو یہ کسی کی دل آزاری نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ اب یہ سارے مولوی جو پاکستان میں یا باہر اسی مزاج کے بستے ہیں ان کو اچھی طرح علم ہے کہ کوئی عیسائی ایسا نہیں جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو سچا سمجھتا ہو تو جب یہ بات کرتے ہیں کہ فلاں کے دل میں چونکہ یہ بات ہے اس لئے اس نے ہتک رسول کی ہے تو اس پیمانے پر اگر جانچا جائے تو پاکستان میں سارے عیسائی واجب القتل ہو جاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہر ہندو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو نعوذ باللہ من ذالک جھوٹا سمجھتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی جھوٹا سمجھتا ہے ورنہ وہ ہندو رہے ہی نا۔ تو اگر مولوی کے پیش کردہ نسخہ کو قبول کیا جائے تو ہر ہندو پاکستان میں بھی واجب القتل ہو جائے گا اور عیسائی ملکوں میں بھی واجب القتل ہو جائے گا۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عقائد کے اختلاف کو جب آپ قانونی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مذہبی راہنما کو انسان عقیدۃً سچا نہ سمجھے تو یہ اس کی ہتک نہیں ہے اور کسی کے لئے دل آزاری کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ اس کے لئے تبلیغ کی اجازت ہے۔ سمجھاؤ کہ وہ سچا ہے یہی اس کا علاج ہے لیکن اگر کسی سربراہ کے متعلق وہ ایسی بات کرتا ہے جو اپنے اظہار میں ناپسندیدہ اور مکروہ ہے جس میں گالی سے کام لیا گیا ہے۔ گستاخی سے کام لیا گیا ہے۔ مخالفت کی گئی ہے اور مخالفت عقیدے کی نہیں بلکہ گند اچھال کر اپنے بغض کو ظاہر کیا گیا ہے تو ایسا شخص لائق تعزیر ہے قانون اگر بنایا جا سکتا ہے تو اس حد تک بنایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر ضرورت کے اپنے کسی مخالف کے ایسے بزرگ کو جو

اس کے نزدیک عزّت رکھتا ہے خواہ کہنے والے کے نزدیک نہ رکھتا ہو ایسے لفظوں سے یاد کریگا جو تہذیب سے گرے ہوئے اور بد تمیزی کے لفظ ہیں تو قطع نظر اس کے کہ اس کے دل میں کیا ہے ایسا شخص واجب التعزیر ٹھہرے گا اور یہ تعزیر مقرر کرتے وقت تمام دنیا کے مذہبوں کے سربراہوں کے لئے برابر حقوق تسلیم کرنے ہوں گے۔ یہ پیغام دراصل قرآن کریم میں موجود ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ

لا نفرق بین احد من رسلہ

کہ مومن یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے تو اس سے یہی مراد ہے کہ عزّتوں کے فرق ضرور ہوں گے۔ مراتب کے فرق ضرور ہوں گے مگر انصاف کے ایک ہی قانون سے ان ساروں سے سلوک کیا جائیگا یا دوسرے لفظوں میں ان کی قوموں سے سلوک کیا جائیگا تو اس قسم کے اور بہت سے ضوابط ہیں جو میرے ذہن میں ہیں۔ میں انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں خواہ اس خطبہ کا موضوع کچھ اور ہو۔ شروع میں اس مضمون کو جاری رکھوں گا تاکہ اس بات کو پوری طرح سمجھا کر ختم کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسانی اقدار کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کے لئے یہ ساری کوششیں انتہائی ضروری ہیں اور احمدیوں کو جب تفصیل سے علم ہو گا کہ میرے ذھن میں امنِ عالم کے قیام کے لئے کیا کیا تجاویز ہیں، انسانی قدروں کو بحال کرنے کے لئے کیا معین باتیں میرے ذہن میں ہیں تو انشاءاللہ پھر وہ پہلے سے بہتر طور پر مسلّح ہو کر اس جہاد میں حصہ لے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

اب میں ساری دنیا کی جماعتوں کو جو اس وقت مجھے دیکھ رہی ہیں یا سن رہی ہیں اور احباب جماعت مردوں، بچوں عورتوں کو سب کو میں ایک دفعہ پھر محبت بھرا سلام کہتا ہوں اور اجازت چاہتا ہوں۔ اب یہ ملاقاتیں (اگر اللہ نے چاہا) بار بار ہوتی رہیں گی اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ (اگر اللہ نے چاہا) جلد وہ وقت بھی آجائے گا جب ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک ٹیلی ویژن دوسرے ملک میں نصب ہو گا ایک یہاں اور اس ملک کے باشندے ہمیں دیکھ رہے ہوں گے اور ہم ان کو دیکھ رہے ہوں گے تو یہ آمنے سامنے کی تمنائیں بھی اللہ ایک دن پوری کریگا۔ خدا کرے کہ وہ دن جلد طلوع ہو۔

سیرت طیبہ

ایمان افروز اور روح پرور ــــ روایات

حضرت اقدس مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ .... کے رفقاء نے بہت قریب سے آپ کی سیرت و کردار کا مشاہدہ کیا۔ ان کے یہ مشاہدات دلوں پہ انمٹ نقوش کی صورت میں ڈھل گئے۔ یہ پاکیزہ نقوش ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں۔ اور نئی نسلوں کی قیمتی متاع ہیں۔ اور یہ ایمانوں میں ایک نئی جِلا اور روحوں میں نئی بہار پیدا کرنے کا موجب ہیں۔ عنوان بالا سے یہ دلچسپ سلسلہ روایات پیش کیا جا رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب مولوی حکیم بابا اللہ بخش صاحب دربان دار المسیح کی روایات۔ آپ بیان فرماتے ہیں:۔

احیاء سنّت کی ہدایت

خواجہ عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے قصبہ دینا نگر میں مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس بھیجا اور حسب ذیل سوال کا جواب طلب فرمایا کہ

نماز کے بعد جو عام لوگ سلام پھیر کر پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ اس کی کوئی سند بھی ہے یا نہیں۔

تو مولوی عبدالعزیز صاحب نے جواب دیا کہ ہاں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ اِلیٰ آخرہ پڑھنا سنّت ہے۔ اس پر انہوں نے پوچھا۔ حکم تو ہاتھ اٹھانے کا ہے؟ نہ کہ پڑھنے کا۔ پھر مولوی صاحب نے صحاح ستہ وغیرہ کتب کی پڑتال کرنی شروع کی تو کہیں سے ثابت نہ ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ افسوس ہے کہ ہم اس وقت تک غلطی کرتے رہے۔ کہ جو ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھتے رہے۔

میری پہلی زیارت

خواجہ عبداللہ صاحب میرے مخلص دوست تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ مجھے نصیحت کی کہ تم کو مولویوں سے ملنے کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ مگر تم کو ان مولویوں کے حال و قال اور چال و اعمال کا علم نہیں۔ ان کی حالت یہ

دین کا کام پیش آئے تو محال ہے کہ اگر کھانا کھو تو بغل میں تھالی ہے۔ پلیسے نکالو تو کہہ دو رومال ہے۔ ایسے مولویوں کو چھوڑو۔ اور قادیان کی طرف منہ موڑو۔ قادیان میں خاندانِ مغلیہ میں حکیم میرزا غلام مرتضیٰ کے صاحبزادے ہیں۔ جو نوجوان ہیں۔ ان کا خدا تعالیٰ کی طرف ایسا رجوع ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر مذہب و ملّت کی کتب آپ کے پاس ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت میں اکثر مشغول رہتے ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دیکھیں کہ کیسے نورٌ علیٰ نور انسان ہیں۔ ان کے اس فرمانے پر میں فوراً روانہ ہو گیا۔ اور اس پنجابی شعر کا مصداق ہو گیا ؎

توُت پکے۔ انب لگ رہے۔ اوڈ کوئل چیل کول
میوے دار درخت پر تو بہو۔ توں ہوَ بول

حضورؑ کی زیارت سے مشرف ہو کر خدا کا شکر بجا لایا۔ مگر حضورؑ نے اس وقت ابھی کوئی دعوےٰ نہیں فرمایا تھا۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی علامات بیان فرمائی ہیں۔ وہ سب نشان آپ میں پائے جاتے ہیں۔

قادیان اس وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ شمال سے جنوب کو ایک بازار تھا اور وہ بھی ٹھنڈا (مندا) تھا۔ سامنے مسجد کے مینار نظر آئے۔ میرے دل نے کہا کہ ممکن ہے۔ حضورؑ شاید اس مسجد میں ہی ہوں۔ دعا کر کے مسجد میں داخل ہوا۔ حضور وہیں تشریف فرما تھے۔ اور آپ کے ساتھ میاں جان محمد صاحب مرحوم تھے۔ میں نے عرض کی کہ حضور محبوب سبحانی سے فیض رسائی حاصل کرنی ہے۔ میاں جان محمد صاحب نے اشارہ کیا کہ یہی عارف ربانی ہیں۔ حضور سے السلام علیکم کے بعد مصافحہ کیا۔ اور حضور سے باتیں ہوتی رہیں۔ میرے پاس ایک کتاب تھی جس کا نام تھا "نظام الاسلام" و "تقریر الحق" جس پر تین سو پچاس علماء احناف کی مہریں ثبت تھیں۔ حضور نے وہ کتاب مجھ سے لی۔ اور اسے پڑھنا شروع کیا۔ ظہر تک پڑھتے رہے۔ اور ظہر کے وقت وہیں نماز ادا کی۔ اور پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ اور اسی طرح مطالعہ فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ عشاء کے وقت تک اسے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا

کہ علماء کا عجیب حال ہے۔ بات سے بات کھینچ کر اپنے مطلب کی طرف لے جاتے ہیں۔ جیسا پاتے ہیں ویسا سمجھاتے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی عمل میں لاتے ہیں۔

عشاء کے بعد دیر تک حضور مسجد میں ہی رہے۔ مجھے تو نیند نے بیہوش کر دیا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ حضور اور میاں جان محمد صاحب کس وقت سوئے۔ صبح سے پہلے مجھے جگایا اور فرمایا

فجر کا وقت قریب آیا ہے

قادیان کی شہرت

ایک دفعہ آپ نے فرمایا۔ اللہ بخش تم دیکھتے ہو کہ اس وقت غیر ممالک میں قادیان کو کوئی جانتا نہیں کہ کہیں کوئی گاؤں قادیان بھی ہے۔ اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا۔ کہ قادیان میں کوئی غلام احمد بھی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ تو دیکھے گا۔ کہ قادیان میں کہاں کہاں سے لوگ آتے ہیں۔ اور قادیان کا نور کہاں کہاں تک مشہور ہوتا ہے۔ اور تو دیکھے گا کہ غلام احمد کی روشنی کی چمک کہاں تک چمکتی ہے۔ پس جیسے حضور نے فرمایا تھا ویسے ہی ہؤا۔ اور دُور دراز کے ملکوں میں قادیان کا نام شہرت پا گیا۔ بلکہ قادیان کی برکت سے لاہور امرتسر بٹالہ بھی مشہور ہو گئے۔

قادر بخش کا علاج کو آنا

آپ کے والد صاحب فن طب میں بڑے ماہر اور شہرہ آفاق تھے۔ اگر آپ کی فن طبابت پر میں کچھ لکھنا چاہوں تو بہت سے اوراق لکھنے پڑیں گے۔ ایک شخص قادر بخش نامی ان کی شہرت سُن کر دریائے بیاس کے دوسرے کنارے سے علاج کرانے کے لئے آیا۔ مگر یہاں آکر اسے معلوم ہؤا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ تب وہ حضرت مسیح موعود۔۔۔۔۔ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے اس کے رہنے کے لئے مکان۔ دوا اور غذا کا انتظام کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی شفا کے لئے دعا بھی کیا کرتے تھے۔ وہ شخص تندرست ہو کر بہت دیر یہاں رہا۔ ایک دن اس نے اذان کہی جو بہت بلند آواز سے تھی۔ اور چونکہ وہ شخص خوش الحان بھی تھا۔ اس لئے حضور نے حکم دیا کہ میاں قادر بخش پانچ وقت تم ہی اذان کہا کرو۔ اس کی اذان سے گرد ونواح کے مسلمان خوش ہؤا کرتے تھے۔ اور ہندو اور سکھ ناراض ہوتے تھے۔ ایک دفعہ بعض سکھ آئے۔ اور انہوں نے اذان کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ "کہ کیا یہ اذان آپ کو کوئی تکلیف دیتی ہے"؟ انہوں نے کہا کہ نہیں تکلیف تو نہیں دیتی مگر اسے کہیں کہ اتنے زور سے اذان نہ دیا کرے۔ آہستہ کہہ لیا کرے۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا کہ "جب تکلیف نہیں دیتی تو اگر اس سے بھی اونچی کہہ لے تو کوئی حرج نہیں"۔

ایک حکایت

ایک دفعہ حضور نے فرمایا کہ اللہ بخش آؤ آج آپ کو الف لیلہ کی ایک حکایت سُنائیں۔ فرمایا

ایک مرد صالح جو بڑا متقی اور پرہیز گار تھا۔ دین اور علم طب میں کامل تھا۔ اور بڑا دولت مند تھا۔ اور روزمرّہ جو نعمتیں اسے میسر آتی تھیں۔ ان کا کوئی حد و حساب نہ تھا۔

اس کے ہمسایہ میں ایک میاں بیوی رہتے تھے۔ جن کو سخت حسد تھا۔ وہ نیک مرد بہت کوشش کرتا کہ کسی طرح ان کو حسد کی آگ سے بچائے۔ مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اس نے اس شہر کو چھوڑ کر ایک دوسرے شہر میں قیام کر لیا۔ اس شہر کے لوگ ایک عرصہ سے دعا کرتے تھے کہ اے خدا ہم کو کوئی ایسا بزرگ دے جو علم دین اور طب کا عالم ہو۔ جب ان کو اس شخص کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی۔ اور ہر قسم کی نعمتیں اس کی خدمت میں پیش کیں اور اس قدر مال و دولت پیش کیا کہ وہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر مال دار ہو گیا۔

اس حاسد کو بھی معلوم ہو گیا۔ تو وہ اور بھی جلنے لگا۔ اس نے اپنی بیوی سے بھی ذکر کیا۔ کہ ہمارا خیال تھا کہ وہ مر گیا ہو گا۔ مگر وہ پہلے سے بھی اچھی حالت میں ہے۔

تب اس کی بیوی نے کہا کہ جاؤ۔ اور اگر موقع ملے تو اسے قتل کر دو۔ چنانچہ حاسد اس کے پاس گیا۔ وہ مرد صالح اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اس سے آنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ حضور کا پتہ لگا تھا۔ اس لئے زیارت کو دل چاہا۔ اب جاتا ہوں۔ اس نیک آدمی نے کہا سنت نبوی کے مطابق تین دن تو ٹھہرو۔ تین دن کے بعد چند صد ریال دے کر رخصت کر دیا۔

اس نے واپس آ کر بیوی کو مال دیا۔ وہ مال لے کر تو خوش ہوئی۔ مگر اس کی ثروت کا ذکر سن کر کہا کہ پھر جاؤ۔ اور جس طرح ہو سکے اس کو مار کر آؤ۔ چنانچہ وہ حاسد پھر واپس گیا۔ اور آ کر کہنے لگا۔ کہ حضور کے باغ وغیرہ کی اچھی طرح سیر نہ کی تھی اس لئے پھر آ گیا۔ اس نیک مرد نے کہا کہ جس شخص نے مجھے یہ باغ دیا ہے اس نے کہا ہے کہ اس کی چوتھی سمت نہ جانا۔ وہاں ایک اندھا کنواں ہے۔ اور اس میں جنات رہتے ہیں۔ خوف ہے کہ وہ جان سے ہلاک نہ کر دیں۔ حاسد اصرار کر کے اس طرف لے گیا۔ اور نیچی نظر کر کے کہنے لگا کہ آپ دیکھ لیں اس میں کوئی جن نہیں۔ اس آدمی نے جب نیچے کی طرف دیکھا۔ تو حاسد نے اسے دھکیل دیا۔ اور کنوئیں میں پھینک دیا۔ اور نہایت خوشی سے گھر آیا۔

اس کنوئیں میں واقعی جن تھے۔ ابھی وہ نیچے نہیں پہنچا تھا کہ ایک جن نے اسے نکال کر محفوظ جگہ پہنچا دیا۔

چند دنوں میں ایک بادشاہ اپنی لڑکی کو جو بیمار تھی علاج کے لئے لایا۔ جو اس کے علاج سے اچھی ہو گئی، اس کے اچھے ہونے کے بعد اسی نیک مرد سے اس کی شادی کر دی گئی۔ اور جب بادشاہ مر گیا تو وہی شخص بادشاہ ہو گیا۔

یہ حکایت سنا کر حضورؑ نے فرمایا۔ کہ اللہ بخش یہ حکایت میرے حسب حال ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے مالا مال کر دے گا۔ اور صاحب اقبال کر دے گا۔ حاسد حسد کی آگ میں جلیں گے۔ اور میرے مال و اقبال کا زوال چاہیں

گے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو کمال تک پہنچا دے گا۔ میں خدا تعالیٰ کا چراغ ہوں۔ دشمن منہ کی پھونکوں سے مجھے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ جیسے جیسے پھونکیں لگائیں گے۔ خدا تعالیٰ میرے نور کو دور دور تک پھیلائے گا۔ بلکہ تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ میرے دشمن ذلیل اور مقہور ہوں گے۔

یہ باتیں جیسے حضورؓ نے فرمائیں ویسے ہی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم ان کے عینی شاہد ہیں۔

نوٹ:۔ اس کہانی سے یہ مراد نہیں کہ حضور ان کہانیوں پر یقین رکھتے تھے۔ بلکہ کہانی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بیان فرمائی۔ جو حضور کی ذات میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور جس سے ان وعدوں کا ذکر کرنا مقصود تھا۔ جو حضور کی ترقی اور اقبال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمائے۔

ایک اور کہانی

ایک دفعہ اور بھی حضور نے ایک کہانی کا ذکر کیا۔ اور اس کہانی کی غرض بھی ایک حقیقت کا اظہار تھا۔ فرمایا:۔

بعض بدخصلت انسان جب کسی کا نقصان کرنے میں ناکام ہوں۔ تو پھر اپنا احسان جتلانے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک فیاض شخص نے ایک امیر آدمی کی دعوت کی۔ ہر قسم کا سازو سامان دعوت کے کمرے میں موجود تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں ایسے قرینے سے لگائیں کہ کچھ مانگنے کی ضرورت نہ رہے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد میزبان نے کہا کہ ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ از راہِ کرم اگر ایسا ہوا ہو تو مجھے معاف فرما دینا۔ یہ سن کر اس امیر نے کہا کہ تم قصور تو معاف نہیں کراتے۔ بلکہ مہمان نوازی کا احسان جتلاتے ہو۔ تمہارا مجھ پہ کوئی احسان نہیں بلکہ میرا تم پر احسان ہے۔

میزبان نے کہا کہ تم اپنا احسان بتلاؤ کیا ہے۔ مجھے تو معلوم نہیں۔ اس نے کہا کہ جس مکان میں تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ اس میں ہزار ہا روپیہ کا مال تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ سب کو آگ لگا دوں۔ مگر میں نے لگائی نہیں۔ پس آپ یہ میرا احسان مانو۔

آپ نے فرمایا کہ دیکھو میاں اللہ بخش یہی میرا حال ہے۔ میں لوگوں کا میزبان ہوتا ہوں۔ ان کو مہمان بناتا ہوں۔ دستر خوان بچھاتا ہوں۔ کھانا کھلاتا ہوں۔ پھر ایمان سکھاتا ہوں۔ قرآن کریم سناتا ہوں۔ اس کے باوجود ان لوگوں سے طرح طرح کے نقصان اٹھاتا ہوں۔ اور جو نقصان نہ کر سکے۔ وہ احسان جتلاتا ہے۔ کہ دیکھو میں نے فلاں نقصان کرنا تھا مگر نہیں کیا یہ میرا احسان جانو۔

گے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو کمال تک پہنچا دے گا۔ میں خدا تعالیٰ کا چراغ ہوں۔ دشمن منہ کی پھونکوں سے مجھے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ جیسے جیسے پھونکیں لگائیں گے۔ خدا تعالیٰ میرے نور کو دور دور تک پھیلائے گا۔ بلکہ تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ میرے دشمن ذلیل اور مقہور ہوں گے۔

یہ باتیں جیسے حضورؓ نے فرمائیں ویسے ہی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم ان کے عینی شاہد ہیں۔

نوٹ:۔ اس کہانی سے یہ مراد نہیں کہ حضور ان کہانیوں پر یقین رکھتے تھے۔ بلکہ کہانی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بیان فرمائی۔ جو حضور کی ذات میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور جس سے ان وعدوں کا ذکر کرنا مقصود تھا۔ جو حضور کی ترقی اور اقبال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمائے۔

ایک اور کہانی

ایک دفعہ اور بھی حضور نے ایک کہانی کا ذکر کیا۔ اور اس کہانی کی غرض بھی ایک حقیقت کا اظہار تھا۔ فرمایا:۔

بعض بدخصلت انسان جب کسی کا نقصان کرنے میں ناکام ہوں۔ تو پھر اپنا احسان جتلانے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک فیاض شخص نے ایک امیر آدمی کی دعوت کی۔ ہر قسم کا ساز و سامان دعوت کے کمرے میں موجود تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں ایسے قرینے سے لگائیں کہ کچھ مانگنے کی ضرورت نہ رہے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد میزبان نے کہا کہ ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ از راہ کرم اگر ایسا ہوا ہو تو مجھے معاف فرما دینا۔ یہ سن کر اس امیر نے کہا کہ تم قصور تو معاف نہیں کراتے۔ بلکہ مہمان نوازی کا احسان جتلاتے ہو تمہارا مجھ پر کوئی احسان نہیں بلکہ میرا تم پر احسان ہے۔

میزبان نے کہا کہ تم اپنا احسان بتلاؤ کیا ہے۔ مجھے تو معلوم نہیں۔ اس نے کہا کہ جس مکان میں تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ اس میں ہزارہا روپیہ کا مال تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ سب کو آگ لگا دوں۔ مگر میں نے لگائی نہیں۔ پس آپ یہ میرا احسان مانو۔

آپ نے فرمایا کہ دیکھو میاں اللہ بخش یہی میرا حال ہے۔ میں لوگوں کا میزبان ہوتا ہوں۔ ان کو مہمان بناتا ہوں۔ دستر خوان بچھاتا ہوں۔ کھانا کھلاتا ہوں۔ پھر ایمان سکھاتا ہوں۔ قرآن کریم سناتا ہوں۔ اس کے باوجود ان لوگوں سے طرح طرح کے نقصان اٹھاتا ہوں۔ اور جو نقصان نہ کر سکے۔ وہ احسان جتلاتا ہے۔ کہ دیکھو میں نے فلاں نقصان کرنا تھا مگر نہیں کیا یہ میرا احسان جانو۔

کتاب نسیمِ دعوت کی طباعت

آریوں کے ایک جلسہ کے مقابلہ پر کتاب نسیمِ دعوت تیار کی گئی۔ اس موقعہ پر آریوں نے کئی مکر و فریب کئے جن کے بیان کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور چند منٹ کے لئے ہمارے جلسہ میں کرسی پر آکر بیٹھ جائیں۔ مگر حضورؑ نے یہی فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کی مراد پوری نہ کرے گا۔

حضور نے یہ کتاب تصنیف فرما کر ایک ہی دن میں شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو بعد نماز مغرب دی۔ اور فرمایا کہ اسے رات رات چھاپ کر صبح کی نماز سے پہلے شائع کر دو۔ پھر فرمایا مولوی نور الدین صاحب ہیں۔ عرض کی حضور حاضر ہیں۔ فرمایا مولوی صاحب اس کتاب میں ایک مسئلہ ایسا لکھا ہے۔ آپ کے لکھنے پڑھنے میں تو درکنار کبھی آپ کے خیال میں بھی نہ آیا ہوگا۔

پھر اسی طرح مولوی عبد الکریم صاحب اور نواب محمد علی خان صاحب اور ایک اور شخص کو بلا کر بھی مندرجہ بالا قول فرمایا۔ میں تو یہ سن کر حیران ہوا۔ اور اس مسئلہ کو دیکھنے کا از حد شوق پیدا ہوا۔ بعد نماز فجر حضرت بڑے سیر بجانب بسراوا نہ ہوئے۔ ادھر نسیم الصبا دعوت دے رہی تھی۔ ادھر شیخ یعقوب علی صاحب نے نسیمِ دعوت پیش کر دی۔ صدہا خادم حضور کے ساتھ بھاگے چلے آرہے تھے۔ سامنے سے ایک آریہ نکل کر آداب بجا لایا۔ ٹھہرنے کے لئے عرض کی۔ حضور نے فرمایا کہ:۔

آپ کے تمام جلسے کے سوالات کے جواب اس کتاب میں درج ہیں دیکھ کر پڑھ لو۔ تم لوگ کہتے ہو کہ مرزا صاحب ہم کو اپنی تصنیفات میں گالیاں دیتے ہیں۔ لو اسے دیکھو کہ اس میں کہاں گالیاں لکھی ہیں۔

نوٹ:۔ وہ مسئلہ جو حضور نے لکھا تھا وہ حضرت سلیمانؑ اور بلقیس کا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے کبھی کسی نے حضرت سلیمانؑ کے اس واقعہ کو اس پاکیزہ طریق پر بیان نہیں کیا تھا۔ تفصیل سے اصل کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(ماخوذ الحکم جلد ۴۴ نمبر ۳-۴-۵)

تضمین

"امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من"

میرے مقام سے ہے مری قوم بے خبر
مجھ کو کرے گی یاد وہ اک دن بچشمِ تر

کھُل جائے گا ہر ایک پر شمشیر کا بھرم
جن کے خیال میں ہوں میں بے تیغ و بے تبر

سب جان لیں گے مہدیٔ آخر زماں ہوں میں
جس کی گواہی دے گئے "الشمس و القمر"

قومیں امان پائیں گی میرے حصار میں،
جب فتنہ و فساد سے پُر ہونگے بحر و بر

ہوگا جبینِ غیر پہ یُوں عرقِ انفعال
توبہ کرے گا صدق سے وہ میرے ہاتھ پر

میں ہی وہ خوش نصیب ہوں پہچان لیں گے سب
جس پر پڑی تھی سرورِ کونین کی نظر

مجھ کو سلام بھیجا ہے میرے حبیب نے
میرے ظہور کی بھی اسی نے ہے دی خبر

شبیرؔ اس نے گوہرِ مقصود پا لیا
جس کو نصیب ہو گیا جانِ جہاں کا در

چوہدری شبیر احمد

جستہ جستہ

"مبارک وہ جو اَب ایمان لایا"

صدق و وفا کے پیکر

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"میں دیکھتا ہوں کہ میری بیعت کرنیوالوں میں دن بدن صلاحیت اور تقویٰ ترقی پذیر ہے ...... میں اکثر کو دیکھتا ہوں کہ سجدہ میں روتے اور تہجّد میں تضرّع کرتے ہیں۔"

"ہماری ...... مخلص جماعتیں وہ نورِ اخلاص اور محبت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ کہ اگر ایک بافراست آدمی ایک مجمع میں ان کے منہ دیکھے تو یقیناً سمجھ لے گا۔ کہ یہ خدا کا ایک معجزہ ہے۔ جو ایسے اخلاص ان کے دل میں بھر دیئے۔ ان کے چہروں پر ان کی محبت کے نور چمک رہے ہیں۔ وہ ایک پہلی جماعت ہے۔ جس کو خدا صدق کا نمونہ دکھلانے کے لئے تیار کر رہا ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۱ صـ ۳۱۵۔ ضمیمہ انجام آتھم صـ ۳۱)

"سو یہی میری جماعت ہے اور میرے ہیں۔ جنہوں نے مجھے اکیلا پایا اور میری مدد کی۔ اور مجھے غمگین دیکھا۔ اور میرے غمخوار ہوئے۔ اور ناشناسا ہو کر پھر آشناؤں کا سا ادب بجا لائے۔ خداتعالیٰ کی اُن پر رحمت ہو۔"

"مجھے درحقیقت انہوں نے ہی قبول کیا ہے۔ جنہوں نے دقیق نظر سے مجھ کو دیکھا۔ اور فراست سے میری باتوں کو وزن کیا۔ اور میرے حالات کو جانچا اور میرے کلام کو سُنا۔ اور اس میں غور کی۔ تب اسی قدر قرائن سے خداتعالیٰ نے اُن کے سینوں کو کھول دیا۔ اور میرے ساتھ ہو گئے۔ میرے ساتھ وہی ہے جو میری مرضی کے لئے اپنی مرضی کو چھوڑتا ہے۔ اور اپنے نفس کے ترک اور اخذ کے لئے مجھے حَکَمْ بناتا ہے۔ اور میری راہ پر چلتا ہے۔ اور اطاعت میں فانی ہے اور انانیت کی جِلد سے باہر آگیا ہے۔" (روحانی خزائن جلد نمبر ۵ صـ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ آئینہ کمالاتِ اسلام)

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت کے جس اخلاص اور صدق وفا کا ذکر فرمایا ہے اس سلسلہ کی ایک جھلک عنوانِ بالا سے پیش کی جارہی ہے۔ (ایڈیٹر)

تضمین

"امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من"

میرے مقام سے ہے مری قوم بے خبر — مجھ کو کرے گی یاد وہ اک دن بچشمِ تر
کھل جائے گا ہر ایک پہ شمشیر کا بھرم — جن کے خیال میں ہوں میں بے تیغ و بے تبر
سب جان لیں گے مہدیٔ آخرزماں ہوں میں — جس کی گواہی دے گئے "الشّمسُ والقمر"
قومیں امان پائیں گی میرے حصار میں، — جب فتنہ و فساد سے پُر ہونگے بحر و بر
ہوگا جبینِ غیر پہ یُوں عرقِ انفعال — توبہ کرے گا صِدق سے وہ میرے ہاتھ پر
میں ہی وہ خوش نصیب ہوں پہچان لیں گے سب — جس پر پڑی تھی سرورِ کونین کی نظر
مجھ کو سلام بھیجا ہے میرے حبیب نے — میرے ظہور کی بھی اسی نے ہے دی خبر
شبّیرؔ اس نے گوہرِ مقصود پا لیا — جس کو نصیب ہو گیا جانِ جہاں کا در

چوہدری شبّیر احمد

"آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا رہا"

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بیان فرماتے ہیں:

"میں ان دنوں سکول میں پڑھا کرتا تھا لیکن مدرسہ میں پڑھائی کے علاوہ میرے والد صاحب قرآن کریم کے باترجمہ پڑھنے کے لئے مجھے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ اس دوران آہستہ آہستہ چرچا ہونے لگا کہ میرے والد صاحب احمدیت کی طرف رجحان رکھتے ہیں اور شاید احمدی ہو جائیں گے .... دوسرے طالب علم مجھے طنزاً کہا کرتے تھے کہ تمہارے والد صاحب مرزائی ہونے والے ہیں۔ اور مجھ سے دریافت کیا کرتے تھے کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں ان کو جواب دیا کرتا تھا کہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں تو میں اپنے مولوی صاحب کی پیروی کروں گا۔ اپنے والد صاحب کے خیالات کی پیروی نہیں کروں گا۔

شروع ستمبر ۱۹۰۴ء میں میرے والد صاحب مجھے اپنے ہمراہ لاہور لے گئے۔ حضرت مسیح موعود .... ان دنوں لاہور ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ ۳۔ ستمبر کے روز لیکچر ...... ہوا۔ والد صاحب مجھے بھی اپنے ہمراہ .... لے گئے۔ میری عمر اس وقت ساڑھے گیارہ سال کی تھی لیکن وہ منظر مجھے خوب یاد ہے۔ مجھے سٹیج پر حضرت مسیح موعود .... کی کرسی کے قریب ہی جگہ مل گئی اور میں قریباً تمام وقت آپ ہی کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا رہا۔ گو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے لیکچر بھی توجہ سے سنا ہوگا یا کم از کم بعد میں توجہ سے پڑھا ہوگا کیونکہ اس لیکچر کے بعض حصے اس وقت سے مجھے اب تک یاد ہیں لیکن میری توجہ زیادہ تر حضرت مسیح موعود .... کے چہرہ مبارک کی طرف رہی .... جو اثر بھی میرے دل پہ اس وقت ہوا وہ یہی تھا کہ یہ شخص صادق ہے۔ اور جو کچھ کہتا ہے وہ سچ ہے اور ایک ایسی محبت میرے دل میں آپ کے متعلق ڈال دی گئی کہ وہی میرے لئے حضور .... کی صداقت کی اصل دلیل ہے۔ میں گو اس وقت بچہ ہی تھا لیکن اس وقت سے لے کر اب تک مجھے کسی وقت بھی کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑی۔ بعد میں متواتر ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں جو میرے ایمان کی مضبوطی کا باعث ہوئے۔ لیکن میں نے حضرت مسیح موعود .... کو آپ کا چہرہ مبارک دیکھ کر ہی مانا تھا اور وہی اثر اب تک میرے لئے حضور کے دعاوی کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

(اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۴۹-۵۰)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وہ سعید فطرت وجود تھے جن کے نورِ فراست نے حضرت اقدس کے چہرے سے آپ کی صداقت کو پرکھا اور احمدیت قبول کی۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیان فرماتے ہیں:۔
"میں جب سر رشتہ دار ہو گیا اور پیشی میں کام کرتا تھا تو ایک دفعہ مسلیں وغیرہ بند کر کے قادیان چلا آیا۔ تیسرے دن میں نے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا ابھی ٹھہریں۔ پھر عرض کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپ ہی فرمائیں گے۔ اس پر ایک مہینہ گذر گیا۔ ادھر مسلیں میرے گھر میں تھیں۔ کام بند ہو گیا اور سخت خطوط آنے لگے۔ مگر وہاں یہ حالت تھی کہ ان خطوط کے متعلق وہم بھی نہ آتا تھا۔ حضور (حضرت مسیح موعود۔۔۔۔۔) کی صحبت میں ایک ایسا لطف اور محویت تھی کہ نہ نوکری کے جانے کا خیال تھا اور نہ کسی بازپرس کا اندیشہ۔ آخر ایک نہایت ہی سخت خط وہاں سے آیا۔ میں نے وہ خط حضرت صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ پڑھا اور فرمایا۔ لکھ دو آنا نہیں ہوتا۔ میں نے وہی فقرہ لکھ دیا۔ اس پر ایک مہینہ اور گذر گیا۔ تو ایک دن فرمایا۔ کتنے دن ہو گئے۔ پھر آپ ہی گننے لگے۔ اور فرمایا۔ اچھا اب چلے جائیں۔ میں چلا گیا اور کپورتھلہ پہنچ کر لالہ ہرچرن داس مجسٹریٹ کے مکان پر گیا۔ تاکہ معلوم کروں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا منشی جی آپ کو مرزا صاحب نے نہیں آنے دیا دیا ہو گا۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ تو کہا ان کا حکم مقدم ہے۔"

۱۹۳۵ء کے مشہور زلزلہ کوئٹہ کے نتیجے میں مستونگ میں پولیٹیکل ایجنٹ قلات کی طرف سے زلزلہ زدگان کو ٹینٹ ملنے شروع ہوئے۔ مولوی محمد الیاس صاحب کو بھی ایک ٹینٹ ملا۔ مگر چھوٹا۔ مولوی صاحب مسٹر سکرین پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس گئے اور کہا میرا کنبہ بڑا ہے مجھے بڑا ٹینٹ دیا جائے۔ مسٹر سکرین نے کہا کہ بڑا ٹینٹ ہمارے پاس نہیں ہے (اگرچہ بڑے ٹینٹ تھے) اسی چھوٹے ٹینٹ سے گذارہ کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا اگر مجھے آپ بڑا ٹینٹ نہیں دیتے تو میں آپ کی شکایت کروں گا۔ انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے کہا کہ آپ کس سے شکایت کریں گے۔ میں اس معاملہ میں خود مختار ہوں۔ حضرت مولوی صاحب نے انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اشارہ کیا کہ میں اس ہستی سے آپ کی لاپرواہی کی شکایت کروں گا۔ مسٹر سکرین نے کہا بابا! اوپر والی ہستی کے پاس میری شکایت نہ کریں۔ آپ بڑا ٹینٹ لے لیں۔

مکرم حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب کمزور احمدی کی تربیت بھی بہت عمدہ طریق سے فرماتے۔ ایک دفعہ جب حسبِ معمول کوئٹہ تشریف لے گئے تو وہاں پر ایک احمدی دوست تھے جو چندہ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب امیر جماعت کوئٹہ نے حضرت مولوی صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ اتفاق سے وہ دوست

بھی شام کی نماز (بیت) میں مولوی صاحب کی اقتدا میں پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس دوست نے حضرت مولوی صاحب کو چائے کی دعوت دی جس میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب بھی شامل تھے۔ دوسرے دن جب چائے کی میز پر بیٹھے اور چائے حضرت مولوی صاحب کے سامنے پیش کی تو مولوی صاحب نے چائے کی پیالی کو ہاتھ نہ لگایا اور اس دوست سے کہا کہ میں پٹھان ہوں اور تم پنجابی۔ مجھ میں اور تم میں قدرِ مشترک سوائے احمدیت کے اور کیا ہے؟ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ادنیٰ غلام جب آپ کے گھر آتا ہوں تو اتنا پُرتکلف انتظام کرتے ہیں۔ مگر جب میرے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود آپ کے گھر آتے ہیں تو وہ خالی ہاتھ جاتے ہیں۔ میں کیسے یہ چائے کی پیالی پی سکتا ہوں؟ وہ شخص بہت حیران ہوا اور کہا مجھ میں یہ جرأت کہ میں ایسی گستاخی کروں؟ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظام کے مقرر کردہ نمائندے آپ کے پاس ہر ماہ اسلام کی اشاعت کے لئے نہ کہ اپنے ذاتی کام کے لئے آپ سے آمد کے ۱/۱۶ حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو آپ ہر ماہ اس کو خالی ہاتھ واپس کر دیتے ہیں۔ اور جب حضور کا ایک ادنیٰ غلام جو سلسلے کے کارندوں سے بھی حقیر تر ہے آپ کے مکان پر آتا ہے تو آپ پُرتکلف دعوت کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ بہت شرم کی بات ہے۔ چونکہ امیر جماعت بھی موجود ہیں جو حضرت مسیح موعود کے نمائندے ہیں۔ میں آپ کی طرف سے یہ دس روپے چندہ ادا کرتا ہوں تاکہ مسیح موعودؑ کا نمائندہ اس دفعہ تو خالی ہاتھ نہ جائے۔ دس روپے حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے ہاتھ پکڑا کر چائے کی پیالی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ دوست فوراً گھر گئے۔ رقم لا کر حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب امیر جماعت کو دی اور حضرت مولوی صاحب کی رقم واپس کی اور وعدہ کیا آئندہ انشاءاللہ باقاعدہ بالشرح چندہ دیا کروں گا اور اس کے بعد وہ دوست چندوں میں باقاعدہ ہو گئے۔

خط و کتابت کرتے اور چندہ بھجواتے وقت اپنی خریداری کا نمبر ضرور درج فرماویں۔

(مینیجر ماہنامہ انصاراللہ ربوہ)

ماہنامہ انصاراللہ کا خود بھی مطالعہ فرماویں اور پنے زیر تربیت افراد کو بھی پڑھنے کے لئے دیں۔

(مینیجر ماہنامہ انصاراللہ ربوہ)

ایک بنیادی خُلق

وُسعتِ حوصلہ

محترم مولانا محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو جن پانچ بنیادی اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کا ارشاد فرمایا ہے ان میں سے ایک وسعتِ حوصلہ ہے۔ آپ نے وسعتِ حوصلہ کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں:

""حوصلہ سے مراد یہ ہے کہ اگر اتفاقاً کسی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس پر برداشت کیا جائے اور اسے کہا جائے کہ اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ پھر بڑے ہو کر نقصان برداشت کرنے کے بھی زیادہ اہل ہو جاتے ہیں۔""

پھر فرمایا:-

""وہ نقصان جس میں انسان بے اختیار ہو اس پر صبر کا نام حوصلہ ہے۔ نقصان کی طرف میلان ہونا یہ حوصلہ نہیں""

وسعتِ حوصلہ کا مقام دراصل وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جس میں صبر و استقلال، عفو و درگذر اور حلم و رفق کی صفات موجود ہوں۔ ان سب صفات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پس جو شخص باوجود خلافِ طبع بات سننے کے اپنے غصّہ کو دباتا ہے۔ عفو و درگذر سے کام لیتا ہے اور انتقام کا جذبہ اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا ایسا انسان وسعتِ حوصلہ کی صفت سے متصف قرار دیا جا سکتا ہے۔

وسعتِ حوصلہ کا اعلیٰ نمونہ

صحابہؓ کرام نے وسعتِ حوصلہ کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور اپنے کردار سے اس بنیادی صفت کو ظاہر کیا۔ قرآن کریم میں مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ　(آل عمران ۱۳۵)

وہ جو اپنے غصّہ کو دبانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت حسن رضی بن علی نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی۔ جس پر حضرت حسن رضی کو بہت غصہ آیا کہ اس نے فوراً قرآن مجید کی اس آیت کے پہلے الفاظ پڑھ دیئے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ اس پر حضرت حسن رضی نے فرمایا کَظَمْتُ کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ پھر اس غلام نے اگلا حصہ پڑھا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کیا۔ پھر اس نے آخری حصہ پڑھا۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اس پر حضرت حسن رضی نے فرمایا۔ کہ میں نے تجھے آزاد کیا۔

حضرت حسن رضی نے اس موقعہ پر کمال درجہ کے وسعت حوصلہ کا ثبوت دیا۔ (تفسیر البیان صـ۳۳۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"بہادر وہ شخص نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے۔ بلکہ اصل بہادر وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے غصہ کو دباتا ہے۔ اور اس پر قابو پالیتا ہے۔" (بخاری کتاب الادب)

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے دوران ایک شخص کو گرا لیا۔ اور اس کے سینہ پر چڑھ گئے۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ اور آپ نے فوراً اُسے چھوڑ دیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسے سخت دشمن کی جان کیوں بخش دی۔ کہنے لگے کہ میں صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی خاطر کسی سے لڑتا ہوں۔ جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے سمجھا کہ اگر اب میں نے اسے مارا تو خدا کے لئے نہیں ماروں گا بلکہ اپنا غصہ نکالوں گا اس لئے میں نے اسے معاف کر دیا۔

وسعتِ حوصلہ کا اصل سرچشمہ

خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے دنیا کی قسم قسم کی نعمتیں مہیا کر دیں۔ تاکہ وہ آسائش اور آرام کی زندگی بسر کر سکے۔ مگر انسانوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس خالقِ حقیقی کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کی عبادت سے منہ موڑتے ہیں۔ اس کے احکامات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے صریحؔ بے راہ روی کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ باوجود ان سب زیادتیوں کے پھر بھی ان کو اپنے فضلوں اور رحمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ اور اپنی صفت رب العالمین کے ناطے سے ان کی جسمانی اور روحانی ربوبیت کے سامان پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَيْسَ اَحَدٌ اَوْلَيْسَ شَيْئٌ اَصْبَرَ عَلٰى اَذًى سَمِعَهٗ مِنَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ

یَدْعُوْنَ لَہٗ وَلَدًا وَاِنَّہٗ لَیُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ "(بخاری کتاب الادب)
کوئی شخص ایسا نہیں یا کوئی چیز ایسی نہیں کہ اذیت ناک بات سُنے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کر سکے لوگ اس کے لئے بیٹا ٹھہراتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انہیں نظر انداز کئے رکھتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔

پس خدا کا یہ کس قدر حوصلہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کو بھی وہ اپنی نعمتوں اور فضلوں سے محروم نہیں رکھتا۔

سُنّتِ انبیاء

انبیاء علیہم السلام کے وجودوں کو خدا تعالیٰ بنی نوع انسان کی ہدایت، بھلائی اور خیر خواہی کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔ مگر وہ اپنے مخالفین کی طرف سے گالیاں سنتے ہیں۔ ہر ناپسندیدہ بات ان کے منہ پر کہی جاتی ہے۔ مگر وہ کوہِ وقار بنے باکمال صبر اور وسعتِ حوصلہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے عفو اور درگذر اور بردباری کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ ان سب باتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی اسی وسعتِ حوصلہ کا ثبوت ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"۔

کہ اے خدا میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں محض لاعلمی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس طریق سے مخالفین اور اشد معاندین کے دلوں کو گھائل کر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ انہیں اس کے بدلہ میں غیر معمولی کامیابیوں اور ترقیات سے نوازتا ہے۔

وُسعتِ حوصلہ اور حضور کا اسوۂ مبارکہ

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسعتِ حوصلہ، صبر و تحمّل، عفو و درگذر کے جو نمونے دکھائے تاریخِ عالم میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ آپ کا یہ وہ خُلقِ عظیم تھا جس نے اشد ترین دشمنوں کے دلوں کو بھی موہ لیا اور وہ آپ کے وسعتِ حوصلہ کو دیکھ کر آپ پر ایمان لے آئے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ حضورؐ نے نجرانی چادر اوڑھی ہوئی تھی جس کا بارڈر موٹا اور کھردرا تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ ہم چلے جا رہے تھے کہ حضورؐ کو ایک بدّو نے آلیا۔ اور حضورؐ کی چادر پکڑ کر بڑے زور سے کھینچی جس سے حضورؐ کے کندھے اور گردن پر اس چادر کے بارڈر کا نشان پڑ گیا۔ پھر وہ بدّو کہنے لگا کہ محمدؐ! حکم جاری فرمائیں کہ جو مال خدا نے آپ کو دیا ہے

اس میں سے مجھے بھی کچھ دیا جائے۔ حضورؐ نے اس بدّو سے کچھ نہ کہا صرف ہنس دیئے اور پھر حکم دیا کہ اس کو کچھ دے دو۔ (بخاری کتاب الادب)

ایک اور واقعہ یوں ہے:۔

کہ ایک دفعہ ایک گنوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سوال کیا۔ آپؐ نے جو کچھ آپ کے پاس تھا اسے دے دیا اور پھر پوچھا کہ کافی ہے وہ کہنے لگا آپ نے تو خاک بھی نہیں دیا۔ اور پھر آپ کو گالیاں دینے لگ گیا۔ صحابہؓ کو اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے تلواریں نکال لیں کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن حضورؐ نے صحابہؓ کو ٹھنڈا کیا اور فرمایا کہ تم جاؤ میں اس سے آپ نپٹ لوں گا۔

پھر آپ اسے لے کر گھر آئے اور اس کا دامن بھر دیا۔ اور پھر فرمایا:۔ کیوں اب تو خوش ہو وہ تعریفیں کرنے لگ گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے نہ کسی کی مدح کی ضرورت ہے نہ مذمّت کی پرواہ، لیکن تم نے میرے صحابہؓ کا دل دکھایا ہے۔ اگر تم ضرور میری تعریف کرنا چاہتے ہو تو ان کے سامنے کرنا۔ اگلے روز وہ پھر آیا حضورؐ مجلس میں تشریف فرما تھے، آکر آپ کی رسالت کا اقرار کیا اور دعائیں دینے لگا۔ حضورؐ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ وہی ہے جسے کل تم قتل کرنے لگے تھے۔ پھر فرمایا۔ سنو! ایک شخص کا اونٹ بھاگ گیا تھا۔ لوگ اسے پکڑنے لگے لیکن وہ قابو میں نہیں آتا تھا۔ آخر مالک نے کہا کہ تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔ تم اسے چھوڑ دو یہ اونٹ میرا ہے اور میں ہی اسے قابو کر سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ الگ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اونٹ گھاس کھانے لگ گیا۔ مالک نے جا کر چپکے سے اس کی نکیل پکڑ لی۔ حضورؐ نے فرمایا میری تمہاری اور اس آدمی کی یہی مثال ہے۔ چونکہ یہ میری چیز ہے میں ہی جانتا ہوں کہ اسے کس طرح قابو کیا جا سکتا ہے۔ اگر تم یہ معاملہ چھوڑا جاتا تو تم اسے قتل کر دیتے اور یہ دوزخ میں جاتا۔

آپ میں وسعتِ حوصلہ کا وصف اس حد تک نمایاں تھا کہ خواہ کوئی بھی صورتحال کیوں نہ ہو آپ کے حوصلہ میں فرق نہیں پڑتا تھا۔

ایک دفعہ ایک یہودی آپؐ کے ہاں مہمان آیا۔ صبح آپؐ کے بستر پہ پاخانہ کر کے چلا گیا۔ حضورؐ نے دیکھا تو خود اپنے مبارک ہاتھوں سے دھونے لگے۔ اتنے میں وہ یہودی کسی کام کے لئے واپس آیا۔ حضورؐ کو بستر دھوتے دیکھ کر ڈر گیا۔ لیکن بجائے اس کے کہ آپؐ اس کو کچھ کہتے الٹا اس سے معذرت کرنے لگ گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمہارے آرام کا پورا خیال نہ کر سکے۔ تمہیں تکلیف ہوئی، یہ اخلاق دیکھ کر وہ آپؐ پر ایمان لے آیا۔

(باقی آئندہ)

تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو خواہ وہ کوئی ہو

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:

"حقوق بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد اور حقوقِ عباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دینی بھائی ہوگئے خواہ وہ بھائی ہے یا باپ ہے یا بیٹا۔ مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے اور ایک عام بنی نوعِ انسان سے سچی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اسکی عبادت کی جاوے اور یہ عبادت کسی غرضِ ذاتی پر مبنی نہ ہو بلکہ اگر دوزخ اور بہشت نہ بھی ہوں۔ تب بھی اس کی عبادت کی جاوے اور اس ذاتی محبت میں جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہونی چاہیئے کوئی فرق نہ آوے..... بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جب تک دشمن کے لئے دعا نہ کی جاوے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا ہے..... دشمن کیلئے دعا کرنا بھی سُنّتِ نبوی صلعم ہے"۔ (بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان۔ انسانیت نمبر صلہ)

"اخلاقِ فاضلہ اسی کا نام ہے کہ بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوعِ انسان سے نیکی کی جاوے۔ اسی کا نام انسانیت ہے۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے۔ یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے۔" (ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۲۹)

"ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک ان امور کی پرواہ کرتا ہے اور کہاں تک وہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے..... پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے..... خدا تعالیٰ کسی کے ادنیٰ فعلِ اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا اور یہ بھی ثابت ہے کہ مخلوق کی ہمدردی اور خبرگیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔"

"یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ مَیں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں، مَیں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ مَیں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔" (ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۲۸۳)

سالِ نو مبارکباد

بہت مبارک ہو سالِ نَو کی ہزار خوشیاں یہ لے کے آئے
ہر ایک لمحہ ہو پُر مسرّت خوشی کی گھڑیاں یہ لے کے آئے

یہ سالِ نَو بار بار آئے جو فتح و نصرت کا ہووے موجب
غم و اَلم رنج و دُکھ مٹائے ہمیش خوشیوں کے دن دکھائے

خدا کرے جو بچھڑ گئے ہیں وہ جلد آپس میں مل کے بیٹھیں
مراجعت ہو بخیر اُن کی خدا ہمیں بھی وہ دِن دکھائے

گذشتہ سالوں سے بڑھ کے امسال اپنے فضلوں کی کیجو بارش
سدا ہے تُو صادقوں کا ساتھی جہان سارا یہ مان جائے

خوشی ہمارا نصیب کر دے غم و الم سے نجات دے دے
رہیں تری رضا پہ راضی نہ فکرِ فردا ہمیں ستائے

بدل سکیں دِل محبّتوں میں جو نفرتوں سے بھرے ہوئے ہیں
رسولِ عربی نبیٔ آخر صلعم کو سب جہاں راہنما بنائے

ہمیں بھی دے اتنی استطاعت عطا ہو ہم کو بھی استقامت
کبھی ہو ہم پہ جو آزمائش قدم ہمارا نہ ڈگمگائے

ترے ہی در پہ خلیقؔ اپنا جُھکا کے سَر التجا ہے کرتا
خطائیں میری معاف کر دے تری ہی رحمت مجھے چھپائے

خلیق بن فائق گورداسپوری

نصاب امتحان سہ ماہی اوّل ۱۹۹۴ء

مجلس انصار اللہ کے مرکزی امتحان سہ ماہی اوّل ۱۹۹۴ء کا نصاب درج ذیل ہے ۔ یہ امتحان ۲۳۔ مارچ ۱۹۹۴ء کو ہوگا۔

۱۔ ترجمہ کلام الٰہی پارہ نمبر ۹ نصف اوّل
۲۔ کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" مکمل
۳۔ کتاب "بنیادی نصاب" مکمل

زعماء کرام تمام انصار کو علم و فضل میں ترقی کے اس مرکزی لائحہ عمل سے آگاہ کر دیں۔ اور وقتاً فوقتاً یاد دہانی بھی کراتے رہیں۔

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ پاکستان۔ ربوہ)

یوم تحریک جدید۔ ۲۲۔ اکتوبر

مجلس مشاورت ۱۹۹۱ء کا فیصلہ کہ:۔

"وکالتِ دیوان چندہ کے علاوہ دیگر مطالبات کے لئے سال میں کم از کم دو مرتبہ یوم تحریک جدید منانے کا اہتمام کرے۔"

اسکی تعمیل میں امراء و صدر صاحبان ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو "یوم تحریک جدید" منانے کی تحریک کی تھی اور اس کی کارروائی کی رپورٹ بھجوانے کی درخواست بھی کی گئی تھی۔

امراء و صدر صاحبان سے درخواست ہے کہ براہِ کرم "**جلسہ یوم تحریک جدید**" کی رپورٹس جلد ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔

اگر کسی وجہ سے کسی جگہ ۲۲۔ اکتوبر کو یوم تحریک جدید نہیں منایا جا سکا تو جماعتی فیصلہ کے تحت اپنی سہولت اور حالات کے مطابق کسی بھی مناسب تاریخ کو جلسہ "یوم تحریک جدید" منا کر رپورٹ ارسال فرمائیں۔

وکیل الدیوان
تحریک جدید۔ ربوہ

تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو خواہ وہ کوئی ہو

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:

"حقوق بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد اور حقوقِ عباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دینی بھائی ہو گئے خواہ وہ بھائی ہے یا باپ ہے یا بیٹا۔ مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے اور ایک عام بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اسکی عبادت کی جاوے اور یہ عبادت کسی غرضِ ذاتی پر مبنی نہ ہو بلکہ اگر دوزخ اور بہشت نہ بھی ہوں۔ تب بھی اس کی عبادت کی جاوے اور اس ذاتی محبت میں جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہونی چاہیئے کوئی فرق نہ آوے..... بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جب تک دشمن کے لئے دعا نہ کی جاوے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا ہے..... دشمن کیلئے دعا کرنا بھی سنتِ نبوی ہے"۔ (بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان۔ انسانیت نمبر صفحہ ۹)

"اخلاقِ فاضلہ اسی کا نام ہے کہ بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوعِ انسان سے نیکی کی جاوے۔ اسی کا نام انسانیت ہے۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے۔ یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے۔" (ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۲۹)

"ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک ان امور کی پرواہ کرتا ہے اور کہاں تک وہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے..... پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے..... خدا تعالیٰ کسی کے ادنیٰ فعلِ اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا اور یہ بھی ثابت ہے کہ مخلوق کی ہمدردی اور خبرگیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔"

"یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔" (ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۲۸۳)